جنوری تا مارچ 1966

Khalid Ahmad Zafar

(6)

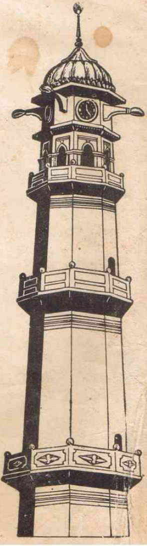

المنار

تعلیم الاسلام کالج ربوہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

روشنی اور رفعت کا نشان

المنار

تعلیم الاسلام کالج ربوہ

سرپرست : قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے کینٹب

نگران
شیخ محبوب عالم خالد ایم اے

مدیر اعلیٰ
مبارک احمد عابد

مدیر
ہدایت اللہ ہادی

جلد ۱۵ ○ جنوری ۔ فروری ۔ مارچ ۱۹۶۶ء ○ شمارہ ۲

جنید ہاشمی پبلشر نے ضیاء الاسلام پریس ربوہ میں چھپوا کر تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے شائع کیا۔

عکسِ اوّل

- تبرکات
- اداریہ — ادارۂ تحریر
- کلامِ محمود — حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- خوش آمدید — ادارہ
- قرار داد
- فرمودات — حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز۔
- مقالات و مضامین — داؤد طاہر۔ سیّد نسیم عابد۔ حسین حمید ہاشمی۔ اعزاز نبی درک۔
- گلہائے رنگا رنگ — صلاح الدین ملک، چوہدری عبد المجید عابد
- شبستانِ غزل — چوہدری محمد علی مضطر، ڈاکٹر نصیر احمد خاں، چوہدری محمد شریف خالد، ارشد ترمذی، مبارک احمد عابد، ہدایت اللہ ہادی، نعیم قدسی، لطیف گجراتی، کریم قمر، پرویز طارق، قمر کاشمیری

قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا
بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ
مَعَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ وَلَا تَقُوْلُوْا
لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ
لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ
بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَ
نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ
وَالثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ۝

ترجمہ:- اے لوگو جو ایمان لائے ہو صبر اور
دعا کے ذریعہ سے (اللہ کی) مدد مانگو
اللہ یقیناً صابروں کے ساتھ ہوتا ہے
اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے
جاتے ہیں۔ ان کے متعلق (یہ)
مت کہو کہ وہ مردہ ہیں (وہ مردہ)
نہیں بلکہ زندہ ہیں مگر تم نہیں سمجھتے ،
اور ہم تمہیں کسی قدر خوف اور بھوک
(سے) اور مالوں اور جانوں اور پھلوں
کی کمی (کے ذریعہ سے ضرور آزمائیں گے
اور اے (رسول) تو (ان) صبر کرنے
والوں کو خوشخبری سنا دے ،

قَالَ الرَّسُوْلُ ﷺ

عَنْ اَبِیْ رُقَیَّۃَ تَمِیْمِ
بْنِ اَوْسٍ الدَّارِیِّ
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اَنَّ
النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
وَسَلَّمَ قَالَ اَلدِّیْنُ
النَّصِیْحَۃُ قُلْنَا لِمَنْ
قَالَ لِلّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ وَلِکِتَابِہٖ
وَلِرَسُوْلِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَ
سَلَّمَ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ
وَعَامَّتِہِمْ (مسلم)

حضرت ابو رقیہ تمیم بن اوس الداری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے
کہ نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا
کہ دین خلوص ہے ہم نے پوچھا کس کے
لئے فرمایا اللہ عز و جل کے لئے اور
اس کی کتاب کے لئے اور اس
کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے اور
مسلمانوں کے خلفاء کے لئے اور
ان کے اعمال کے لئے ۔

(مسلم)

تبرکات

ارشاداتِ عالیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

صحبتِ صادقین نفس کی پاکیزگی کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے

صادق اور راستباز لوگوں کی صحبت اختیار کرو تا کہ ان کے صدق کے انوار سے تم کو بھی حصہ ملے

نفس اور اخلاق کی پاکیزگی حاصل کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ صحبتِ صادقین بھی ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اشارہ فرماتا ہے کہ کونوا مع الصادقین یعنی تم صادق اور راستباز لوگوں کی صحبت اختیار کرو تا کہ ان کے صدق کے انوار سے تم کو بھی حصہ ملے جو مذاہب تفرقہ پسند کرتے ہیں اور الگ الگ رہنے کی تعلیم دیتے ہیں وہ یقیناً وحدتِ جمہوری کی برکات سے محروم رہتے ہیں، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا کہ ایک ہی ہو جو جماعت بنا دے اور اخلاق کے ذریعہ آپس میں تعارف اور وحدت پیدا کرے۔

درستیٔ اخلاق کے بعد دوسری بات یہ ہے کہ دعا کے ذریعہ سے خدا تعالیٰ کی پاک محبت حاصل کی جاوے۔ ہر ایک قسم کے گناہ اور بدی سے دور رہے اور ایسی حالت میسر ہو کہ جس قدر اندرونی آلودگیاں ہیں ان سب سے الگ ہو کر ایک مصفّی قطرہ کی طرح بن جاوے جب تک یہ حالت میسر نہ ہوگی تب تک خطرہ ہی خطرہ ہے (مراد یہ کہ) دعا کے ساتھ تدابیر کو نہ چھوڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تدبیر کو پسند کیا ہے اور اسی لئے فالمدبرات امرا کہہ کر قرآن شریف میں بھی قسم کھائی ہے جب وہ اس مرحلہ کو طے کرنے کے لئے دعا بھی کرے گا اور تدبیر سے بھی اس طرح کام کرے گا کہ جو مجلس اور صحبت اور تعلقات اس کو حارج ہیں ان سب کو ترک کر دے گا اور رسم و عادات اور بناوٹ سے الگ ہو کر دعا میں مصروف ہوگا تو ایک دن قبولیت کے آثار مشاہدہ کر لے گا۔ یہ لوگوں کی غلطی ہے کہ وہ کچھ عرصہ دعا کر کے پھر رہ جاتے ہیں اور شکایت کرتے ہیں کہ ہم نے اس قدر دعا کی مگر قبول نہ ہوئی۔ حالانکہ دعا کا حق تو ان سے ادا ہی نہ ہوا تو قبول کیسے ہو؟ اگر ایک شخص کو بھوک لگی ہو یا سخت پیاس ہو اور وہ صرف ایک دانہ یا ایک قطرہ لے کر شکایت کرے کہ مجھے سیری حاصل نہیں ہوئی تو کیا اس کی شکایت بجا ہوگی۔ ہرگز نہیں جب تک وہ پوری مقدار کھانے اور پینے کی نہ لے گا تب تک کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ یہی حال دعا کا ہے اگر انسان لگ کر اسے کرے اور پورے آداب سے بجا لاوے۔ وقت بھی میسر آوے تو امید ہے کہ ایک دن اپنی مراد کو پا لیوے لیکن رستہ میں ہی چھوڑ دینے سے صدہا انسان مر گئے (گمراہ ہو گئے) اور صدہا ابھی مرنے کو تیار ہیں۔ ایک من پیشاب میں ایک قطرہ پانی کا کیا شے ہے جو اسے پاک کرے اسی طرح وہ بداعمالیاں جن میں لوگ سر سے پاؤں تک غرق ہیں۔ ان کے ہوتے ہوئے چند دن کی دعا کیا اثر دکھلا سکتی ہے" (البدر ۸ ستمبر ۱۹۰۲ء)

محمود کر کے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار

فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ،

غم اپنے دوستوں کا بھی کھانا پڑے ہمیں — اغیار کا بھی بوجھ اٹھانا پڑے ہمیں

اس زندگی سے موت ہی بہتر ہے اے خدا — جس میں کہ تیرا نام چھپانا پڑے ہمیں

منبر پہ چڑھ کے غیر کہے اپنا مدّعا — سینہ میں اپنے جوش دبانا پڑے ہمیں

یہ کیا عدل ہے کہ کریں اور۔ ہم بھریں — اغیار کا بھی قضیہ چکانا پڑے ہمیں

سن مدعی نہ بات بڑھا۔ تا نہ ہو یہ بات — کوچہ میں اس کے شور مچانا پڑے ہمیں

پھیلائیں گے صداقتِ اسلام کچھ بھی ہو — جائیں گے ہم جہاں بھی کہ جانا پڑے ہمیں

محمودؔ کر کے چھوڑیں گے ہم حق کو آشکار
روئے زمیں کو خواہ ہلانا پڑے ہمیں

اداریہ!!

آہ! ۷ اور ۸ نومبر ۱۹۶۵ء کی درمیانی شب کو وہ شخص ابدی نیند سو گیا۔ جس نے اسلام کی تاریخ بدل کر رکھ دی۔ جس نے اسلامی سطوت کو وہ معیار بخشا جو مدتوں تک بلکہ قیامت تک عظیم الشان اور عدیم المثال اقدار کا حامل رہے گا۔ آہ! وہ شخص ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا جس کا چند لمحے بھی ربوہ سے باہر جانا ہمارے لئے قیامت بن جاتا تھا جس کی عارضی مفارقت سے ہمارے دل خون ہو جاتے تھے۔ آج ہم سب کو روتا اور بلکتا ہوا چھوڑ کر اپنے آسمانی آقا کے حضور حاضر ہو گیا۔ دل پریشان ہیں، آنکھیں حیران اور تمنائیں ویران ہیں۔ اب اس وجود کو کہاں سے لائیں جو روحانیت کا آفتاب تھا، جو اسلام کا ماہتاب تھا جو احمدیت کی مضبوط تنظیم کا ایسا ناظم تھا جس کی مثال قرنوں قرنوں اور صدیوں صدیوں تک ملنی محال ہے۔ اے جانے والے ہمہ صفت انسان ہم پر یہ تیرا کس قدر احسان ہے کہ تو نے ہمیں خدا تعالیٰ کے قریب کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کی اپنی قلم کی جولانیوں سے، اپنی زبان کی خوش بیانیوں سے اور اپنی پر اثر تقریروں کی روانیوں سے تو نے ہمیں وہ جواہر آبدار بخشے جن سے ہمارا دل دین کی آن اور شان کا منبع بن گیا۔ اے خدا کے اور بندوں کے پیارے محمود تیری دعائیں ہر حال میں ہمارے شاملِ حال رہیں، تو نے راتوں کو جاگ جاگ کر ہماری بہتری اور سر بلندی کے لئے سعی مسلسل کی۔ تو نے ہمارے دلوں میں دین کی وہ شمع فروزاں کی جس کا نور ہمارے ایمانوں کو، یقین کو اور اعمال کو سدا تابندہ اور درخشندہ رکھے گا۔

اے فضلِ عمر۔ ہاں اے مصلح موعود تیری دعاؤں اور کوششوں کے طفیل ہی آج ہم اس مقام پر کھڑے ہیں جہاں سے ہمیں اسلام کی ترقی کی راہیں صاف صاف نظر آ رہی ہیں۔ تو نے ہمیں خدا کی گود میں ڈالنے کے لئے اپنی ساری زندگی صرف کر دی۔ خدا یقیناً تجھے اپنے قرب میں جگہ دے گا۔ اے خدا تو اپنے اس فدائی کو اپنے ہاں وہ رتبہ عطا فرما۔ جس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود کی فضیلت کو چار چاند لگ جائیں۔ آمین۔ اے خالق کائنات اپنے اس محبوب بندے پر سدا اپنی رحمتوں، برکتوں اور عنایتوں کے پھول برسا اور اپنے ہاں اسے وہ کچھ عطا فرما جو تو اپنے مقرب بندوں کو ہمیشہ عطا فرماتا رہا ہے۔ آمین اللھم آمین۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد شمعِ احمدیت کے پروانے ایک عجیب سی کش مکش میں مبتلا تھے۔ اور ایک بے تابی، بے چینی اور بے قراری ہر ایک احمدی پر مسلط تھی۔ یا خدا! اتنا بڑا خلا کیسے پر ہو گا؟ اس دین کی کشتی کا ناخدا تو چلا گیا اب اس کا کھیون ہار کون بنے گا؟ سوالوں کا ایک انبار پریشان دماغوں کو اور بوجھل بنا رہا تھا۔ یکایک امید کا سورج چمکا۔ ہر سو خوشی اور طمانیت کی لہر دوڑ گئی۔ ہمارے کالج کے قابل صد احترام، لائق اور عظیم سربراہ کو جماعت احمدیہ

نے اپنا خلیفہ منتخب کرلیا۔ حضرت حافظ صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے ـــــ پھر کیا ہوا! ہم نے خدا تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کا ظہور دیکھا۔ بے چینی اور بے قراری۔ تسکین اور مسرت میں تبدیل ہوگئی ـ پریشان اور سرگرداں پروانے پھر ایک تابناک شمع کے گرد جمع ہوگئے، ایسی شمع کے گرد جمع ہوگئے جو ہر پروانے کی فرزانگی کو بنظرِ احسان دیکھتی ہے جو ہر دلولے کے احساسات اور جذبات کا اپنے مطہر دل میں خیال رکھتی ہے۔ بے شک ہمارا کالج ایک عظیم الشان سرپرست سے محروم ہوگیا ہے ـــ لیکن یہ محرومی کی چبھن کم کی جاسکتی ہے ہم سمجھتے ہیں باپ کہیں بھی چلا جائے۔ بچوں سے اسکی شفقت کم نہیں ہوتی ـــ ہم اپنے اس روحانی باپ کے دامن سے چمٹے رہیں گے ـــ ہم پہلے بھی اس کی دعاؤں کے محتاج رہے ہیں ـــ اور اب بھی ہیں ـــ ہم ہمیشہ اس کی درد بھری دعاؤں کے پھولوں کو اپنے گلے کا ہار بناتے رہیں گے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے جو توقعات وابستہ کررکھی ہیں ـــ ہم انھیں انشاءاللہ تعالیٰ اپنے علم وعمل سے پورا کریں گے اور اسلام اور احمدیت کے لئے ہر قربانی پیش کرتے رہیں گے ـــ خدا تعالیٰ ہمیں ہر رنگ میں نیکی کی توفیق عطا فرمائے اور ہر حال میں ہمارا حامی و ناصر ہو۔ آمین۔ اللھم آمین۔

(مبارک احمد عابد)

اس کارگاہِ ہست و بود کی ابتدا ہی سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ بڑے بڑے حادثات و واقعات تازیانہ بن کر انسانی رگوں میں سوئے ہوئے خون میں جوش و ولولہ پیدا کرتے رہتے ہیں۔ ایسی قومیں جو حالات کی سختیوں اور صعوبتوں کو برداشت کرکے صبر و استقلال اور ضبط و نظم سے کام لیتی ہیں۔ وہ بالآخر آزمائش و امتحان میں کامیاب و کامران ہوتی ہیں، چنانچہ پاکستانی مسلمان قوم جو صدیوں کی فرسودہ روایات تلے دبی چلی آرہی تھی اس بھاری بوجھ سے سبکبار ہوکر ابھر آئی۔ اور ان میں یگانگت، عزم و یقین، پامردی اور ہمت کے جذبات بیدار ہوئے طلبہ بھی یقیناً اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے حقیقت سے دوچار ہوتے اور مقصد کی وحدت نے ان کی ذہنی توانائیوں کو فرصتِ عمل دی اور ان کے افکار میں خلوص و عمل کو بیدار کیا۔ ان کے سامنے اب نئی راہیں اور تازہ مقاصد کے راستے کھل گئے۔

مندرجہ بالا حقائق کے پیشِ نظر ہم بھی اپنے ساتھی طالب علموں کو ان کے لائحہ عمل اور پس منظر کے بعض پہلوؤں سے روشناس کرانا چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے تو مجھے مستقبل قریب میں آنے والے امتحانات کے بارے میں کچھ کہنا ہے امتحان کے لئے آپ سب یقیناً ابھی سے مصروف ہوں گے لیکن اس کے لئے محنت شرط ہے محض امتحانات کا خوف خود پر طاری کرلینا، اس کے مختلف پہلوؤں کے متعلق تشویش اور فکر کے ساتھ سوچنا اور اسے اپنے لئے ذہنی پریشانی کا باعث بنا دینا فائدہ مند نہیں۔ بلکہ اس صورتِ حالی سے نبٹنے کا بہترین اور بھرپور طریقہ یہی ہے کہ خود کو محنت کا عادی بنا لیجئے۔ اور محنت کیجئے اور خوب محنت کیجئے!! گزرے ہوئے ماضی پر افسوس نہ کیجئے۔ بلکہ نئے سال کا آغاز نئے ارادوں، نئے ولولوں اور نئے عزائم کے ساتھ کیجئے۔ آپ زندگی کے جس دور میں سے گزر رہے ہیں۔ اس میں افسوس کرنے کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔

خیر یہ تو ایک ضمنی بات تھی میں دراصل کچھ اور کہنا چاہتا تھا۔ کالج کی زندگی سکول کی زندگی سے بالکل مختلف ہے۔

جیسے بچپن کی زندگی جوانی سے ـــــــ اب بچپن کی عادات کو چھوڑ دیجئے خود اپنے آپ کو اور اپنے ماحول کو ہمہ گیر بنانے کی بھرپور کوشش کیجئے۔ خود زندگی کی مانند ہمہ گیر !!

ہر طالب علم اپنے لئے الگ الگ راہیں متعین کرتا ہے اور اپنی منتخب کردہ راہ کو ہی زیادہ اہمیت دیتا ہے اور یقیناً مقصد کو پانے کے لئے یہ چیز ضروری ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ایک طالب علم لباس پہننا چھوڑ دے اس لئے کہ اس کا مقصد علم کا حصول ہے لباس پہننا نہیں تو یہ بات بالکل غلط ہوگی پس بالکل ایسے ہی جیسے کہ لباس پہننا علم کے حصول میں رکاوٹ نہیں بنتا بلکہ اس کی اپنی بھی ایک خاص اہمیت ہے اسی طرح ہر طالب علم کو اپنے منتخب کردہ مضامین کے علاوہ دوسرے شعبہ جات علم کے ساتھ تعلق رکھنا بھی اپنے مقصد کے حصول میں رکاوٹ نہیں سمجھنا چاہیئے ـــ افلاطون کے اقوال زرّیں کے ساتھ اگر آئن سٹائن کا نظریہ اضافت بھی سمجھ لیا جائے تو کوئی ایسی بری بات نہیں۔

اور اس طرح علم کی مختلف شاخوں کے مابین تعصب ختم کرنے سے ہمارے اپنے تعصبات ختم ہوں گے اور اسی میں بنی نوع انسان کی بہتری ہے،

" اعلان تاشقند " بھی چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے ـــ لیکن ہمیں اس منزل تک پہنچنے کے لئے ملکی اور قومی آئین کا نہایت دلجمعی اور خلوص سے احترام کرنا ہے اور باہمی اتحاد و یگانگت ایک جہتی اور پورے عزم و استقلال سے آنے والے حالات کا مقابلہ کرنا ہے۔ ایک اچھے اور کامیاب شہری کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ ملک اور قوم میں کسی قسم کا کوئی ہنگامہ برپا نہ کرے جس سے سیاسی انتشار و تعطل یا معاشرتی و سماجی تنزل و انحطاط پیدا ہوتا ہو۔ چونکہ ہنگامے برپا کرنے سے منظم انجمنوں کا شیرازہ بکھر جاتا ہے جس سے اکثر قومی سالمیت کے استحکام کو نقصان پہنچتا ہے اور ایسا طرزِ عمل کسی مہذب و شائستہ اور صحت مند معاشرہ کے شایانِ شان نہیں ہوتا اور بالخصوص یہ طرزِ عمل اس معاشرہ کی خود اپنی عظمت و وقار کے منافی بھی ہے آیئے ہم سب مل کر ملکی اور قومی معیشت کو مضبوط اور مستحکم بنانے کی بھرپور کوشش کریں۔ اسی میں ہماری بہتری ہے۔

اس اقتصادی کش مکش کے دور میں سیاست بین الاقوامی سطح پر بڑی تیز رفتاری سے نئے نئے روپ دھارتی چلی جارہی ہے کہ اسے صحیح طور پر سمجھنا بھی بہت مشکل ہوگیا ہے چہ جائیکہ سیاسی و اقتصادی مسائل کو اتنی جلدی اور آسانی سے حل کر سکیں اور بالخصوص ایسے کڑے دور میں ان راہوں کو ہموار کرنا کوئی معمولی اور آسان مسئلہ نہیں ہوتا بلکہ ان مسائل کا حل ایک خاص وقت کا مرہونِ منت ہے کُلُّ اَمْرٍ مَرْهُوْنٌ بِاَوْقَاتِهَا پھر بھی ہمیں اس سے امید بہار رکھ۔ آیئے ہم نظم و ضبط اور اتحاد و یگانگت کا وہ مثالی نمونہ دکھائیں جو زندہ قوموں کا نمونہ ہوتا ہے مستحکم نظام کے قیام و ثبات کے لئے اپنی زندگیاں اور ہمدردیاں ملک اور قوم کی خاطر وقف کر دیں۔ اور وطنیت کا مقدس جذبہ بھی آپ کی اس عملی خدمت کا متقاضی ہے اور وہ یہ کہ ہم اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کریں سمجھائیں اور دوسروں میں بھی ان کا صحت مند شعور پیدا کریں ـــــ ہمارا ملک ابھی بڑے نازک مراحل میں سے گزر رہا ہے اور ابھی یہ کڑا دور ختم نہیں ہوا۔ اس کڑے دور میں ایک طالب علم کا سب سے بڑا فرض یہی ہے کہ وہ علم کے حسین مقصد کو لے کر میدان میں اترا ہے اس کو ہرگز نہ بھولے اور علوم و فنون کے حصول کے لئے نہ صرف انتھک کوشش کرے بلکہ ان کے کمال تک پہنچنے کے لئے ہر دم کوشاں رہے اور زندگی کی گہرائیوں میں اتر کر محسوس حقائق کی ماہیت کو مختلف زاویوں سے پرکھنے اور جانچنے کا اپنے اندر صحت مند اور تازہ شعور پیدا کرے یہی ہماری سب سے بڑی کامیابی ہے مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم نظم و ضبط اور اتحاد و یگانگت کو ہر صورت میں برقرار رکھیں کہ

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں۔

(ہدایت اللہ ہادی)

خوش آمدید

ہم طلبائے تعلیم الاسلام کالج اپنے نئے پرنسپل محترم قاضی محمد اسلم صاحب ایم اے (کینٹب) کے تقرر پر انہیں تہہ دل سے مبارکباد پیش کرتے ہیں۔ نیز ہم انہیں یقین دلاتے ہیں کہ ہم آپ کے تیار کردہ لائحہ عمل پر پوری طرح عمل پیرا ہونے کی بھرپور کوشش کریں گے اور آپ کی قیادت ہمارے لئے یقیناً شمع ہدایت ثابت ہوگی۔

محترم قاضی صاحب کی خداداد ذہنی اور فکری صلاحیتوں اور استعدادوں سے کون نا آشنا ہے آپ ملک کے نامور اور قابل ترین اساتذہ اور بہترین منتظمین میں شمار کئے جاتے ہیں۔ آپ نے جس خوش اسلوبی، دیانتداری اور خلوص سے طلبہ میں ذہنی اور فکری صلاحیتوں کو اجاگر کر کے جو غیر معمولی بلندی اور رفعت پیدا کی ہے اسکی زندہ مثال آپ کے شاگرد رشید ہیں۔ طلباء اور اساتذہ کے رشتہ کو ہموار کرنے اور ان کے باہمی مسائل کو سلجھانے کے لئے جو نتیجہ خیز کوشش وسعی آپ نے کی ہے اسے درسی ادارے کبھی فراموش نہیں کر سکتے آپ نے طلبہ کے ذہنوں اور دماغوں میں جلا پیدا کر کے جو صحت مند اور تازہ شعور پیدا کیا ہے وہ نہ صرف ملک اور قوم کے لئے بلکہ بین الاقوامی سطح پر بھی قابل صد ستائش اور قابل تحسین ہے۔ آپ نے طلبہ کے لطیف احساسات اور گہرے جذبات کا تجزیہ ایسے پیارے اور موثر طریق سے کیا ہے کہ ان کے ذہنوں اور دماغوں کی فکری اپج میں غیر معمولی وسعت اور بلندی پیدا کر کے فلاح و بہبود کی ایسی تعمیری راہیں متعین کی ہیں جو دور رس نتائج کی حامل ہیں۔ جو زندگی کے ہر موڑ اور ہر منزل پر یقیناً شمع ہدایت ثابت ہوتی ہیں۔ شاید اسی لئے محترم قاضی صاحب کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ اور ہر جملہ قاعدہ و کلیہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ دراصل یہ وسیع افکار آپ کے وسیع تجربات اور گہرے مشاہدات کا نتیجہ ہیں۔ آپ تقریر و تحریر میں ایجاز و اختصار کے باوجود ایسا اچھوتا اور موثر طرز فکر اور طرز استدلال اختیار کرتے ہیں جو اپنی ذات میں منفرد ہے۔ آپ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل اور مشکل سے مشکل مضامین کو ایسے انوکھے اور تیکھے طریق سے نبھاتے ہیں کہ نفس مضمون کی ترکیب و تدوین میں ایسا کمال تسلسل اور تواتر پایا جاتا ہے کہ آخر وقت تک تاثر اور زور میں کسی قسم کی کمی یا تشنگی واقع نہیں ہوتی بلکہ قارئین اور سامعین کے لئے ابہام و تفہیم کی آسان اور سہل ترین راہیں خود بخود نکل آتی ہیں آپ کا اچھوتا طرز فکر اور موثر طرز استدلال نہ صرف ان کے ذہنوں اور دماغوں کو جھنجھلا کے رکھ دیتا ہے بلکہ انہیں زندگی کے ٹھوس حقائق پر ٹھیک سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔

ہم طلبہ کے لئے یہ بات بڑی ہی قابل فخر ہے کہ ہمیں محترم قاضی صاحب جیسے شفیق استاد اور محسن مربی کی اعلیٰ و ارفع قیادت حاصل ہوئی ہے ہم ایک مرتبہ پھر ان کے تقرر پر انہیں دل کی گہرائیوں سے ہدیۂ تبریک پیش کرتے ہیں نیز ہم ان سے اپنی دینی و دنیوی کامیابی و کامرانی کے لئے دعائی درخواست کرتے ہیں اور یقین دلاتے ہیں کہ ہم ان کی قیادت میں آگے سے آگے بڑھ چڑھ کر علوم و فنون کے ہر میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کریں گے انشاء اللہ۔ ہم دعا گو ہیں کہ خدائے عزوجل محترم قاضی صاحب کو بھی اس ولولہ جذبہ اور خلوص سے ہمیشہ نوازتا رہے۔ آمین۔

(ادارہ)

طلباء کالج کی قرآن کریم سے وابستگی

(از حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز)

"مجھے یہ سُن کر بہت تعجب ہوا ہے کہ ہمارے کالج کے بہت سے طلباء بھی قرآن کریم نہیں پڑھ سکتے۔ اور اگر یہ بات درست ہے کہ ان میں سے ایک تعداد قرآن کریم ناظرہ پڑھنا بھی نہیں جانتی یا اُن میں سے بہت سے لڑکے قرآن کریم کا ترجمہ نہیں جانتے۔ تو انھیں یہ سوچنا چاہیئے کہ اگر انہیں قرآن کریم سے کوئی تعلق نہیں اور انھیں قرآنی علوم حاصل نہیں تو انہوں نے دنیوی علوم حاصل کر کے کیا لینا ہے۔ دُنیا کے ہزاروں لاکھوں بلکہ کروڑوں دہریہ لوگ دنیا کے ان علوم کو حاصل کر رہے ہیں۔ وہ دیکھیں کہ یہ علوم دنیا کو کس طرف لے جا رہے ہیں۔ اخروی زندگی کو تو چھوڑو۔ وہ دنیا کو بھی تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔ وہ دیکھیں کہ آخر دنیا کو ان دنیوی علوم سے کونسی خیر و برکت حاصل ہو رہی ہے۔ آج دنیا کے ہر طبقہ کو اس بات کا احساس ہو چکا ہے کہ جس طرح ہم نے دنیوی علوم سیکھے ہیں اور جس طور پر ہم نے انہیں استعمال کیا ہے وہ انسانیت کو بھلائی کی طرف نہیں بلکہ تباہی کی طرف لے جا رہے ہے۔ غرض ہمارے کالج کا طالب علم ہو اور پھر وہ قرآن کریم سے ناواقف ہو یہ بڑی شرم کی بات ہے۔"

سیدنا حضرت المصلح الموعود نور اللہ مرقدہٗ کے وصال پر دلی تعزیت کا اظہار

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی کامل اطاعت کا عہد

تعلیم الاسلام کالج کے احمدی طلباء، ممبران سٹاف اور کارکنان کی قراردادیں

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے طلباء، اساتذہ و کارکنان کا ایک ہنگامی اجلاس مورخہ ۱۱ر نومبر ۱۹۶۵ء کو زیر صدارت مکرم پروفیسر بشارت الرحمٰن صاحب کالج ہال میں منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل دو قراردادیں منظور کی گئیں:-

۱

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے جملہ طلباء، اساتذہ اور کارکنان اپنے پیارے امام حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال پر اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے شدید صدمہ خوردہ دلوں اور اشکبار آنکھوں کے ساتھ دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضور رضی اللہ عنہ قدرہٗ کو اپنے آقا سرورِ کائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں میں اعلیٰ علیین میں بلند سے بلند مقامات عطا فرمائے اور ہم سب کو اپنی رضا پر راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے اور صبرِ جمیل سے نوازے۔

القلب یحزن والعین تدمع وانا بفراقک یا حبیبنا واماما لمحزونون

سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ۵۱ سالہ بابرکت عہدِ خلافت میں دینِ اسلام کی سربلندی، دنیا کے کناروں تک قرآنی علوم و معارف کی اشاعت، جماعت کی تنظیم، نظامِ خلافت کے ساتھ غیر متزلزل وابستگی نازک سے نازک موقعوں پر جماعت کی کامیاب قیادت اور عالمِ اسلام کے مسائل میں مسلمانانِ عالم کی بصیرت افروز راہنمائی سے جو کارہائے

نمایاں سرانجام دیئے تاریخ اسلام میں وہ ہمیشہ سنہرے حروف سے لکھے جائیں گے
حضور رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت کے ہر فرد کے ساتھ جس شفقت و محبت کا تعلق رکھا اس کی یاد کبھی ہمارے دلوں سے محو نہیں ہو سکے گی۔

خدائے بزرگ و برتر کے حضور ہماری عاجزانہ دعا ہے کہ جس مقصد کی خاطر سیدنا حضرت المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کوشاں رہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس جدوجہد کو جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

ہم روئے زمین پر پھیلے ہوئے افراد جماعت احمدیہ کے ساتھ عموماً اور جملہ افراد خاندان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص طور پر دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو اس صدمہ میں اپنی رضا کی راہوں پر گامزن رہنے کی اور صبر جمیل کا نمونہ پیش کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

۲

ہم سب کے دل اللہ تعالیٰ کے حضور جذبات تشکر و امتنان سے لبریز ہیں کہ اس نے اپنے وعدوں کے مطابق سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے عظیم صدمے میں خود ہماری تسکین کا سامان مہیا فرمایا اور قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر کے ذریعے سے مومنین کے دلوں کو ڈھارس دی اور ایک نیا زندہ ایمان عطا فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے حضور دعا ہے کہ وہ ہمارے نئے امام امیر المومنین حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو صحت و عافیت و خدماتِ دینیہ سے بھرپور لمبی عمر عطا فرمائے اور حضور انور کے ٹھنڈے سائے کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے آمین ثم آمین۔ اور ان کے ہاتھوں پر ان تمام مقاصد کی تکمیل فرمائے جن کی خاطر اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا تھا۔

آخر میں ہم اپنے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے عاجزانہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق بخشے کہ ہم اپنے عہد بیعت کو پورا کرتے ہوئے حضور کی قیادت میں زیادہ سے زیادہ خدماتِ دینیہ بجا لائیں۔ اللہ تعالیٰ ہر آن ہمیں تقویٰ اور ایمان پر ثابت قدم رکھے۔ اور ہمیشہ ہم پر خلافت کی برکات نازل ہوتی رہیں۔

ہم ہیں

احمدی طلباء

ممبرانِ سٹاف و کارکنان

تعلیم الاسلام کالج ربوہ

تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے اساتذہ و طلباء سے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا ایمان افروز خطاب

میری ایک ہی خواہش اور تڑپ ہے، اور وہ یہ کہ آپ اپنے رب کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کریں

اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ہی اس ادارہ پر اپنا خاص فضل رکھا ہے میری دعا ہے کہ آئندہ بھی ترقیات کے دروازے اس پر کھلتے رہیں

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ کا وہ خطاب جو آپ نے اساتذہ اور طلباء تعلیم الاسلام کالج سے کالج ہال میں ۲۵ نومبر ۱۹۶۵ء کو فرمایا درج ذیل کیا جاتا ہے۔ حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پورے ساڑھے گیارہ بجے ہال میں تشریف فرما ہوئے۔ حاضرین نے اٹھ کر حضور کا استقبال کیا۔ اس کے بعد اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی۔

سب سے پہلے منیر احمد صاحب جاوید نے تلاوت قرآن کریم کی۔ پھر پرنسپل صاحب تعلیم الاسلام کالج نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں ایڈریس پیش کیا جس کے بعد حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا

میرے بہت پیارے اور عزیز بچو! اور میرے محترم ساتھیو!! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میرا خیال تھا کہ آج ایک غیر رسمی اجلاس میں مَیں اپنے بھائیوں اور بچوں سے ملاقات کر لوں گا لیکن اس وقت اس اجلاس کو باقاعدہ ایک فارمل اور رسمی اجلاس بنا دیا گیا ہے اور ایک ایڈریس بھی پیش کر دیا گیا ہے جس کے بعض حصوں کے متعلق میں پہلے بھی کچھ کہنے کو تھا۔

لیکن اس درسگاہ سے قبل مختلف دوروں سے گزرا ہوں۔ طالب علمی کے زمانہ میں پہلے میں نے قرآن کریم حفظ

گیا۔ پھر دینی اور عربی تعلیم حاصل کی اور پھر دنیوی تعلیم حاصل کرنے کی کوشش کی۔ گورنمنٹ کالج میں پڑھا پھر انگلستان گیا اور آکسفورڈ میں بھی پڑھا۔ جب میرا تعلیمی زمانہ ختم ہوا اور میں انگلستان سے واپس آیا تو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مجھے جامعہ احمدیہ میں بطور استاد کے لگا دیا۔ اس وقت مجھے عربی تعلیم چھوڑے قریباً دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس لئے میرے دماغ نے کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کی کیونکہ وہ علوم جو میرے دماغ میں اب تازہ نہیں رہے تھے وہی علوم مجھے پڑھانے پر مقرر کر دیا گیا۔ اور میں نے دل میں کہا کہ اللہ خیر کرے اور مجھے توفیق دے کہ میں اپنی ذمہ داری کو صحیح طور پر نبھا سکوں۔ تھوڑے ہی عرصہ بعد مجھے جامعہ احمدیہ کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس وقت مجھے اللہ تعالیٰ کے پیار اور حسن کا عجیب تجربہ ہوا۔ وہ یہ کہ مولوی فاضل میں ایک پرانا فلسفہ پڑھایا جا رہا ہے (شاید اب بھی پڑھایا جاتا ہے) آج سے ہزاروں سال پہلے اس دنیا کے متعلق انسانی دماغ جس طرح سوچتا رہا ہے۔ وہی فکر و تدبر (بالفاظ دیگر فلسفہ) جن کتابوں میں درج کیا گیا ہے وہی مولوی فاضل کے کورس میں شامل تھیں۔ اب دنیا بدل چکی حقیقتیں نئے رنگ میں ہمارے سامنے آگئیں اس لئے اس زمانہ کے انسانی دماغ کی سوچ ہمارے دماغ قبول کرنے کے لئے تیار نہیں لیکن ان کو بطور حقائق کے پڑھایا جاتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ اس پرچہ کو جامعہ میں مشکل ترین سمجھا جاتا تھا اور اکثر طلباء اس پرچہ میں فیل ہو جاتے تھے۔ اپنے طالب علمی کے زمانہ میں بھی میں بڑا پریشان ہوتا تھا اور کڑھتا تھا کہ ایک چیز جو مشکل نہیں اسے مشکل ترین بنا دیا گیا ہے کیونکہ اگر آج آپ کسی بچے کو یہ کہیں کہ آسمان ٹھوس ہیں اور ان میں ستارے اس طرح ٹکے ہوتے ہیں جس طرح ایک دلہن کے دوپٹے پر سونے کے ستارے لگائے ہوتے ہیں تو اگرچہ کتابی علوم پر ان بچے کو اتنا عبور نہ بھی ہو لیکن جس ماحول میں وہ پیدا ہوا اور اس نے پرورش پائی اسکی وجہ سے اس بچے کا دماغ بھی ان باتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگا

میں حیران ہوتا تھا کہ یہ ذرا سی مشکل ہے اور اس کے لئے تھوڑے سے زاویہ کو بدلنے کی ضرورت ہے مسئلہ حل ہو جاتا ہے کیوں استاد اس کی طرف توجہ نہیں کرتے چنانچہ جب میں پرنسپل بنا تو یہ پرچہ پڑھانے کا ذمہ میں نے خود لے لیا۔ ہمارے ایک بزرگ استاد تھے مولوی ارجمند خان صاحب۔ آپ میں سے بھی اکثر انہیں جانتے ہیں کیونکہ وہ یہاں بھی کام کرتے رہے ہیں اور انھوں نے بڑی محنت سے ان کلاسز سے نوٹ تیار کئے تھے۔ جنہیں ہمارے محترم بزرگ سید سرور شاہ صاحبؓ یہ علم پڑھایا کرتے تھے۔ خان صاحب کا خیال تھا کہ اگر کبھی موقعہ ملا تو وہ صحیح رنگ میں اس پرچہ کو پڑھایا کریں گے جب انہیں یہ پتہ چلا کہ ایک نوجوان جو ان مضامین سے دس سال تک آؤٹ آف ٹچ (غیر متعلق) رہا ہے۔ اب ہمارا پرنسپل لگا دیا گیا ہے اور پھر یہ جو فلسفہ کا مشکل ترین پرچہ ہے اس نے خود اپنے ذمہ لے لیا ہے تو وہ کچھ گھبرائے۔ اور ایک دفعہ مجھے ملے تو کہنے لگے میاں صاحب! آپ نے کیا ظلم کیا ہے یہ پرچہ آپ کیسے پڑھائیں گے۔ میں نے اس علم کے متعلق بڑی محنت سے نوٹ تیار کئے ہیں۔ آپ یہ پرچہ مجھے دے دیں۔ میں نے کہا نہیں۔ میں نے نیت کر لی ہے کہ یہ پرچہ میں خود ہی پڑھاؤں گا۔ باقی دیکھیں کہ اب اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے چنانچہ جب

فلسفہ کا مضمون میں نے پڑھانا شروع کیا تو مجھے طلباء کو صرف یہ بات سمجھانے کے لئے کہ یہ مضمون آسان ترین مضمون ہے دو تین لیکچر دینے پڑے اور بتایا کہ یہ فلسفہ کا مضمون نہیں بلکہ تاریخ فلسفہ کا مضمون ہے جو آپ لوگ یہاں پڑھتے ہیں اور آپ کو اس امر کے معلوم کرنے کی کوشش کی ضرورت نہیں کہ آسمان ٹھوس ہیں یا نہیں بلکہ صرف اتنا سمجھنا ہے کہ انسانی دماغ پہ ایک دَور ایسا بھی گزرا ہے کہ جس میں وہ ان باتوں کو صحیح تسلیم کرتا تھا۔ لیکن بعد میں جب سائنس اور دیگر علوم نے ترقی کی اور ساتھ ہی انڈسٹری نے بھی ترقی کی اور وہ وہ چیزیں بننے لگیں جن تک پہلے کی تخیّل کی رسائی نہ تھی۔ اور انسان کو اس عالم کے متعلق نئے نئے انکشاف ہوئے تو اسے یقین ہوگیا کہ وہ پرانے خیالات ان نئے علوم میں فٹ اِن [illegible] نہیں کرتے لیکن پہلے زمانہ میں لوگ اسی طرح سوچا کرتے تھے۔ پس اس رنگ میں میں نے انہیں فلسفہ پڑھایا۔

اسیطرح منطق کے متعلق میں نے کہا کہ صرف اصطلاحیں ہیں اور کوئی چیز نہیں۔ اگر منطق واقعی اس طریق فکر کا نام ہے جس کے مطابق ہمارا دماغ کام کرتا ہے اور اصطلاحوں میں طریق بیان کا نام ہے تو ایک بچہ بھی اسیطرح سے سوچتا ہے۔ اگر ایک بچہ کے سامنے چار چیزیں رکھی جائیں۔ خواہ وہ گنتی نہ جانتا ہو اور خواہ وہ زبان سے چار نہ کہہ سکے لیکن اس کی سمجھ اور عقل میں یہی ہوگا کہ یہ چار چیزیں ہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ انہیں چار کی بجائے آٹھ سمجھنے لگ جائے۔

تو دن رات صبح وشام ہمارا دماغ ان طریقوں پر کام کرتا ہے صرف ہم نے کچھ اصطلاحیں بنالی ہیں اور اس علم کو منطق کا نام دے دیا ہے اس میں کوئی مشکل نہیں۔

بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہ فضل کیا کہ میری کلاس جب پہلی دفعہ یونیورسٹی میں گئی تو جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے سارے کے سارے طلبہ پاس ہوگئے۔ اس وقت مجھے اپنے رب کی قدرتوں کا مزید یقین ہوا اور میں نے سمجھا کہ علوم کا سیکھنا اور سکھانا بہت حد تک اللہ تعالیٰ کے فضل پر منحصر ہے اور کمزور انسان ہونے کی حیثیت سے ہماری کوششوں میں جو کمی رہ جاتی ہے اس کمی کو ہم اپنی دعاؤں سے پورا کرسکتے ہیں۔ یہ تجربہ [illegible] سے اب تک مجھے رہا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ اس کالج میں بھی سب سے کم لیکچر دینے والا میں ہی تھا۔ اگر دوسرے اساتذہ سو سو لیکچر دیتے تو میں چالیس پچاس سے زیادہ لیکچر نہ دے سکتا تھا۔ شاید کچھ اپنی غفلت کی وجہ سے اور کچھ اپنی دیگر ذمہ داریوں کی وجہ سے بہرحال یہ ایک حقیقت ہے کہ اس کے حضور دعائیں کرنے کی وجہ سے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل رہا ہے کہ جو پرچہ بھی میں پڑھاتا رہا ہوں (اکنامکس اور پولیٹیکل سائنس پڑھائے ہیں) اس کے بڑے اچھے نتائج نکلتے رہے ہیں۔ ایک کلاس میری ایسی تھی کہ جس کے متعلق ایک دفعہ مجھ پر یہ اثر ہوا کہ میں نے کچھ حصے اس کو صحیح رنگ میں نہیں پڑھائے اور اس میں طلبہ کمزور ہیں۔ امتحان سے پندرہ بیس دن پہلے مجھے خیال آیا کہ ایک عنوان ایسا ہے کہ اگر میں اس کے متعلق ان کو نوٹ تیار کرکے دے دوں تو خدا کے فضل سے یہ طلبہ بڑا اچھا نتیجہ نکال لیں گے۔ چنانچہ میں نے ایک نوٹ تیار کیا اور کوشش کرکے میں نے خود طالب علموں کے پاس پہنچایا اور ان کو کہا کہ اس کو یاد کرلو۔ چنانچہ جب پرچہ آیا تو اس میں تین سوال ایسے تھے جو میرے

اس نوٹ کے ساتھ تعلق رکھتے تھے اور چونکہ وہ مختصر اور کمپری ہنسیو (مکمل) تھا اور تازہ تازہ ان کے ذہن میں تھا اس لئے میرا خیال ہے کہ اس سال نصف سے زیادہ طلبہ نے اس پرچہ میں فرسٹ ڈویژن حاصل کیا اس طرح اللہ تعالیٰ نے فضل فرما دیا۔

پس میرا اپنے سارے زمانے میں یہ تجربہ رہا ہے کہ جب ہم اپنے رب کی طرف عاجزی اور انکساری کے ساتھ جھکتے ہیں تو وہ اپنے فضل اور رحم کی بارشیں ہم پر کرتا ہے۔ ہمارا خدا بخیل نہیں بلکہ بڑا دیالو خدا ہے اگر کبھی ہم کامیاب نہیں ہوتے تو اس کا سبب صرف یہ ہوتا ہے کہ ہم بعض دفعہ لاپرواہی سے کام لیتے ہیں اور اس کی طرف جھکنے کی بجائے دوسرے دروازوں کو کھٹکھٹانے کی کوشش کرتے ہیں اور وہ دروازے کھولے نہیں جاتے تھا اس زمانہ میں جب میں جامعہ میں تھا میں نے اپنا دل اور دماغ اس ادارے کو دے دیا تھا اور بڑی محنت سے اس کی نشو ونما کی طرف توجہ کی تھی اور اس زمانہ میں جب میں نے حساب لگایا تو مجھے اس بات سے بڑی خوشی ہوئی کہ پہلے یا دوسرے سال جتنے جامعہ احمدیہ کے واقفین زندگی تبلیغِ اسلام کے میدان میں اترے اس سے پہلے پانچ یا سات سال کے طلبہ کی مجموعی تعداد بھی اتنی نہ تھی۔ اور اس زمانہ کے بہت سے طالب علم ہیں جو اس وقت تبلیغی میدان میں کام کر رہے ہیں۔

پھر ۱۹۴۴ء میں جب میں اپنی بیگم کی بیماری کی وجہ سے ان کے علاج کے لئے دہلی گیا ہوا تھا۔ اچانک ایک دن ڈاک میں حضرت مرزا بشیر احمد صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا خط مجھے ملا کہ یہاں قادیان میں ایک کالج کھولنے کا فیصلہ ہوا ہے اور حضرت صاحب نے تمہیں اس کالج کا پرنسپل مقرر فرمایا ہے۔ میں بڑا پریشان ہوا کہ پہلے جب میں عربی قریباً بھول چکا تھا مجھے جامعہ میں لگا دیا گیا۔ اب جب میرا ذہن کلی طور پر اس چیز کی طرف متوجہ ہو چکا ہے تو مجھے وہاں سے ٹرانسفر کر کے ایک انگریزی ادارے کا پرنسپل بنا دیا گیا۔ اس وقت ابھی صرف انٹرمیڈیٹ کالج تھا۔ خیر خدا تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ اس ذمہ داری کو بھی نبھانے کی توفیق دے اور ہماری کوششوں میں برکت ڈالے۔ ابتداء بالکل چھوٹے سے کام سے ہوئی۔ اس جماعت پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس میں جو ساتھی ملتے ہیں وہ بڑے پیار سے کام کرنے والے ہوتے ہیں۔ گو بہت سے میری طرح بالکل (RAW) خام تھے۔ میں اس وجہ سے RAW تھا کہ اس میدان سے بالکل ہٹ چکا تھا اور اکثر ان میں سے وہ تھے جو ایم اے پاس کرتے ہی وہاں آ گئے تھے انہیں کوئی تجربہ نہ تھا بلکہ صرف آپ کے اسسٹنٹ پرنسپل میاں عطاء الرحمٰن صاحب ہی ہیں جنہیں کچھ تجربہ تھا باقی سب RAW ہی تھے ہم نے جو کوششیں کیں وہ تو کیں ہمارے جو وسائل تھے شاید آپ ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ ایک چھوٹی سی مثال سے اس کو واضح کر دیتا ہوں وہ یہ کہ ایک لمبے عرصہ تک پرنسپل کے دفتر کے سامنے چک بھی نہ تھی۔ دروازہ یونہی کھلا رہتا تھا۔ پھر ان چکوں کے حصول کے لئے محترم قاضی محمد اسلم صاحب کو سپیشل سفارش کرنی پڑی تب جا کر اس دفتر کو چکیں نصیب ہوئیں اور ایک حد تک اطمینان اور پرائیویسی جو کام کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے میسر آئی۔ پھر مالی لحاظ سے بھی خدا تعالیٰ نے

کا میرے ساتھ عجیب سلوک رہا ہے کہ میں نے کبھی نہیں سوچا اور نہ دیکھا اور نہ پتہ کیا کہ ہمارے کھاتوں میں کتنی رقم ہے۔ ہمیشہ یہ سوچا کہ جو خرچ آ پڑا ہے وہ ضروری ہے کہ نہیں اور اس خرچ میں کوئی فضول خرچی تو نہیں، ناجائز حصہ تو نہیں۔ اگر جائز ضرورت ہوتی تو مجھے یقین ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم کرتے ہوئے اس جائز ضرورت کو پورا کرنے کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ پھر جب سال گزرتا حساب کرتے تو ساری رقوم ایڈجسٹ ہو جاتیں اور کبھی فکر ماتم ودکرنا نہیں پڑا ورنہ یہ کالج جس میں آپ اس وقت بیٹھے ہیں کبھی نہ بنتا۔

جب میں نے اس کالج کا نقشہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور پیش کیا تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ اتنا بڑا کالج بنانے کے لئے میرے پاس پیسے نہیں۔ میں تمہیں ایک لاکھ روپیہ کالج کے لئے اور پچاس ہزار روپیہ ہوسٹل کے لئے دے سکتا ہوں اور یہ نہیں کرنے دوں گا کہ کالج کی بنیادیں اس نقشہ کے مطابق بھر لو اور پھر میرے پاس آجاؤ کہ جی! آپ کا دیا ہوا لاکھ روپیہ خرچ ہو گیا ہے کالج کی صرف بنیادیں بھری گئی ہیں تکمیل کے لئے اور پیسے دو۔ پس انجینئر سے مشورہ کر کے اس نقشہ پر سرخ پنسل سے نشان لگواؤ کہ ایک لاکھ سے بلڈنگ کا اتنا حصہ بن جائے گا وہ میں نے تم سے بنوا لینا ہے۔ میں نے اس وقت جرأت سے کام لیتے ہوئے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ ٹھیک ہے۔ میں حضور سے پیسے مانگنے نہیں آیا نقشہ منظور کرانے آیا ہوں اس کے لئے حضور دعا فرمادیں۔ میں لکیریں لگوا کر لے آؤں گا۔ لیکن مجھے اجازت دی جائے کہ جماعت سے عطایا وصول کرسکوں حضور نے فرمایا ٹھیک ہے عطایا وصول کرو لیکن وہ لکیریں ڈلوا کر لاؤ۔

میں نے نقشہ پر مشورہ کرنے کے بعد لکیریں ڈالیں پھر حضور کی خدمت میں پیش کیا۔ تب حضور نے منظوری دی کہ کام شروع کر دو۔ لیکن اس کے بعد نہ مجھے یاد رہا کہ وہ لکیریں کس حصہ پر ڈالی گئی تھیں۔ نہ حضور رضؓ کو یہ کہنے کی ضرورت پڑی کہ لکیریں کہیں اور ڈالی گئی تھیں اور کالج کا پھیلاؤ زیادہ ہو گیا ہے اور رقم کا مطالبہ کر رہے ہو۔

تو اللہ تعالیٰ ہر مرحلہ پر آگے بڑھنے کی توفیق دیتا چلا گیا۔ جب ہم ایک جگہ پہنچتے تو میں اپنے ساتھیوں کو جو تعمیر کا کام کر رہے تھے کہہ دیتا کہ اگلا کام شروع کرادو جب وہ حصہ بن جاتا تو میں کہتا کہ اب اگلا حصہ بھی بنالو۔ میں شاہد ہوں اس بات کا اور پورے یقین اور وثوق کے ساتھ آپ کو یہ بات بتا رہا ہوں کہ آج تک مجھے جو خرچ کرنے والا تھا پتہ نہیں کہ یہ رقم کہاں سے آئی۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں سب آمد خزانہ میں جاتی ہے اور سب خرچ چیکوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ لیکن کبھی ہم نے اس کو سمجھا نہیں۔ یہ کالج کی عمارت ہوسٹل اور دوسری جو بلڈنگیں ہیں وہ سب ملا کر ایک لاکھ مربع فٹ سے اوپر ہیں اور میرا رف اندازہ ہے کہ ان پر چھ اور سات لاکھ روپیہ کے درمیان خرچ آیا ہے۔ بعض دفعہ اچھے پڑھے لکھے غیر از جماعت دوست آتے ہیں اور ان سے بات چیت ہوتی ہے تو وہ یقین نہیں کرتے کہ اتنی تھوڑی رقم میں اتنی بڑی عمارت کھڑی ہو سکتی ہے وہ سمجھتے ہیں کہ شاید ہم ان سے کوئی چالاکی کر رہے ہیں صحیح رقم بتانے کے لئے

تیار نہیں۔

تو جہاں تک ضروریات اور اسباب کا سوال ہے اللہ تعالیٰ نے ۱۹۴۴ء سے ہی اس ادارے پر اپنا خاص فضل کیا ہے اور اپنی رحمتوں کے سائے میں اسے رکھا ہے۔ وہ ہماری کمزوریوں کو اپنی مغفرت کی چادر سے ڈھانپ دیتا ہے اور نتائج محض اس کے فضل سے اچھے نکلتے ہیں میرے دل میں کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا اور مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھیوں کے دل میں بھی کبھی یہ خیال پیدا نہیں ہوا ہوگا کہ یہ سب کچھ ہماری کوششوں کا نتیجہ ہے کیونکہ ہم اپنی کوششوں کو خوب جانتے ہیں اور ہم سے زیادہ ہمارا رب جانتا ہے جس ادارے پر اللہ تعالیٰ نے اس کثرت کے ساتھ اپنے فضل اور احسان کئے ہوں اس ادارہ کی طرف منسوب ہونے والے خواہ وہ پروفیسر ہوں یا طلبہ، ان سب کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر وقت اپنے رب کی حمد کرتے رہیں تا کہ اس کے فضلوں کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے جہاں تک میرے جذبات کا سوال ہے تو جو میرے جذبات پہلے جامعہ احمدیہ کے متعلق تھے وہی جذبات میرے دل میں اس ادارہ کے متعلق پیدا ہوئے اور میں نے اپنے دل کو، اپنے دماغ کو اور اپنے جسم کو اس ادارہ کے لئے خدا کے حضور بطور وقف پیش کر دیا اور بڑی محبت اور پیار کے ساتھ اس کو چلانے کی کوشش کی اور ان طلباء کو جو یہاں تعلیم پاتے تھے میں نے اپنے بچوں سے زیادہ عزیز سمجھا۔ بے شک میں نے جہاں تک مناسب سمجھا سختی بھی کی لیکن اس وقت سختی کی جب میں نے اسے اصلاح کا واحد ذریعہ پایا اور بعد میں مجھے اس دُکھ کی وجہ سے راتوں کو جاگنا پڑا کہ کیوں میرے ایک بچے نے مجھے اس سختی کے لئے مجبور کر دیا تھا کہ مجھے یہ قدم اٹھانا پڑا۔ کئی راتیں ہیں جو میں نے آپ کی خاطر جاگتے گزاریں اور ہمیشہ ہی آپ کے لئے دعائیں کرتا رہا۔ اور پھر میں نے اپنے رب کا پیار بھی محسوس کیا کیونکہ وہ اپنے فضل سے میری اکثر دعائیں قبول کرتا رہا اور کبھی کسی موقع پر بھی میرے دل میں ناکامی، نامرادی یا نا امیدی کا خیال تک پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی ان دلوں میں پیدا ہونا چاہیئے جنہوں نے اس کام کو کرنا ہے۔ انہیں اپنی ذمہ داریوں کو ہمت سے نبھاتے چلے جانا چاہیئے۔ اسی طرح بچوں کے دل میں بھی ایسے خیال پیدا نہیں ہونے چاہئیں۔ آپ کا اس پر کوئی خرچ نہیں آتا کہ آپ اپنے دلوں کو ایسا بنا لیں کہ وہ ہمیشہ اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع اور انابت کرنے والے ہوں پھر یا تو آپ کے لئے مشکلات پیدا ہی نہ ہوں گی یا اگر پیدا ہوں گی بھی تو آپ ان کو بڑی بشاشت کے ساتھ سہہ لیں گے اور وہ مصیبت جو دنیا کی نگاہ میں مصیبت ہوگی اور وہ مشکل جسے ہمارے اغیار مشکل سمجھ رہے ہوں گے وہ آپ کے لئے تکلیف دہ نہیں بنے گی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ اس بات کا جواب دیتے ہوئے کہ خدا کے برگزیدہ انبیاء کو تکالیف کیوں پہنچتی ہیں۔ فرمایا کہ تم اُن سے پوچھو کہ کیا وہ ان تکالیف کو تکالیف سمجھتے بھی ہیں؟ اگر وہ ان میں انتہائی روحانی لذت اور سرور پاتے ہیں تو پھر تمہارا یہ حق نہیں کہ تم ان کو تکالیف ہی سمجھو۔ یہ پاکباز لوگ ان ابتلاؤں کو جن

کو دنیا مصیبت سمجھتی ہے روحانی سرور کا خزانہ سمجھتے ہیں کیا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے بھڑکتی ہوئی آگ کے اندر ہی سلامتی کا سامان پیدا نہیں کیا گیا تھا؟

پس میری ایک ہی خواہش ہے اور ایک ہی تڑپ ہے وہ یہ کہ آپ اپنے دلوں کی کھڑکیاں اپنے رب کی طرف کھولیں اور اسی کی محبت اپنے دلوں میں پیدا کریں اور ضرورت اور احتیاج کے وقت اسی کی طرف رجوع کریں۔ ہمارا خدا زندہ خدا ہے اور بڑی طاقتوں والا ہے اگر آپ کے دل اس نہج پر نشوونما پانے لگیں تو پھر ساری دنیا آپ کے قدموں پر آگرے گی۔ مگر پھر بھی آپ اس پر کوئی فخر نہ کریں گے۔ کیونکہ جو چیز آپ کو مل چکی ہوگی وہ ساری دنیا اور اس کے تمام مال و اسباب سے زیادہ قیمتی ہوگی۔ اگر آپ کے دل واقعی خدا کی طرف رجوع کرنے والے اس کی طرف جھکنے والے اور اس پر توکّل کرنے والے اور اس سے پیار و محبت کرنے والے اور اس کی حمد سے لبریز ہو جائیں تو آپ سمجھ لیں اور یقین کر لیں کہ ساری کامیابیاں آپ کو حاصل ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم واقعی اس کے بندے بن جائیں۔ پھر دنیا کی کسی طاقت سے ہمیں کوئی ڈر لاحق نہ ہوگا۔ اور اپنی کسی کمزوری کو دیکھ کر گھبرائیں گے نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کے ساتھ رہے آپ کو نیکی اور بھلائی کی توفیق دے دنیا میں بھی زیادہ سے زیادہ ترقیات عطا فرمائے اور ہر میدان میں آپ دنیا کے قائد اور لیڈر بنیں اور دنیا آپ کے کام دیکھ کر ایک طرف حیران ہو اور دوسری طرف آپ سے پیار کرنے لگے کہ یہ کیسے انسان ہیں کہ جس کام میں ہاتھ ڈالتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے لئے کامیابی مقدّر فرما دیتا ہے۔

خدا کرے کہ میرے یہ ساتھی جن کے کندھوں پر اس ادارے کو چلانے کا بوجھ ڈالا گیا ہے۔ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھتے ہوئے ان کو نبھانے کی کوشش کریں اور ان کے دل میں بھی آپ کے لئے وہ پیار اور محبت پیدا ہو جائے جو قریباً بیس اکیس سال سے میرے دل میں رہا ہے اور خدا تعالیٰ انہیں توفیق دے کہ وہ اپنے اور اپنوں سے زیادہ آپ لوگوں کے لئے دعائیں کرنے والے ہوں اور پھر وہ ان کی دعاؤں میں برکت ڈالے اور اپنے فضل سے ان دعاؤں کو قبول کرے اور ہمیشہ آپ کے لئے ترقیات کے دروازے کھلتے رہیں اس دنیا میں بھی اور اس دنیا میں بھی۔ اللّٰھم آمین۔

نوٹ:۔ خطاب بارہ بج کر بیس منٹ پر ختم ہوا۔ اس کے بعد تمام طلبہ نے شرف مصافحہ حاصل کیا۔ اور پورے ساڑھے بارہ بجے حضور واپس تشریف لائے۔

عباد الرحمٰن کی ایک علامت

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

"اسی طرح عباد الرحمٰن کی ایک اور علامت یہ بتائی کہ وہ کسی کو ناجائز طور پر قتل نہیں کرتے۔ یہ علامت بھی اپنی پوری شان کے ساتھ ہمیں صحابہؓ کے مقدس وجودوں میں جلوہ گر دکھائی دیتی ہے۔ وہ اس حکم پر اتنی سختی سے عمل کرتے تھے کہ باوجود اس کے کہ وہ ایسی اقوام سے برسرِ پیکار رہے جو بزورِ شمشیر اُن سے اپنا مذہب بدلوانا چاہتی تھیں۔ پھر بھی ان کی تلوار صرف ان افراد پر اُٹھتی تھی جو عملاً جنگ میں شامل ہوں، کسی عورت کسی بچے کسی بوڑھے کسی راہب اور کسی پنڈت یا پادری پر نہیں اٹھتی تھی کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اسلام صرف لڑنے والے افراد سے جنگ کرنا جائز قرار دیتا ہے دوسرے افراد کو قتل خواہ وہ دشمن قوم سے ہی کیوں نہ تعلق رکھتے ہوں جائز قرار نہیں دیتا۔ آج دنیا کی بڑی بڑی حکومتیں جو اپنے آپ کو عدل و انصاف کا علمبردار قرار دیتی ہیں اور جن کا وجود امن عالم کے قیام کی ضمانت سمجھا جاتا ہے ان کی یہ کیفیت ہے کہ وہ دشمن اقوام کو ہمیشہ ایٹمی ہتھیاروں سے ہلاک کرنے کی دھمکی دیتی رہتی ہیں، بلکہ عملاً گزشتہ جنگ عظیم میں ہیروشیما اور ناگاساکی پر ایٹم بم گرا کر لاکھوں بے گناہ جاپانی مردوں اور عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور اسے امن عالم کے قیام کے لئے ایک بڑا بھاری کارنامہ قرار دے کر سراہا گیا۔ لیکن رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں کہیں ایسا ظلم دکھائی نہیں دیتا کہ برسرپیکار ہونے کی حالت میں بھی انہوں نے بے گناہ مردوں اور عورتوں اور بچوں کو تہہ تیغ کیا ہو۔ مگر یہ لاکھوں افراد کے ناجائز خون سے اپنے ہاتھ رنگنے والے تو عدل و انصاف کے مجسمہ کہلاتے ہیں۔ اور وہ مسلمان جنہوں نے اپنے پاؤں تلے کبھی ایک چیونٹی کو بھی نہیں مسلا تھا انہیں یہ لوگ (نعوذ باللہ) ڈاکو اور لٹیرا قرار دیتے ہیں ؎

ببیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بہ کجا"

(تفسیر کبیر جلد ۸ حصہ ۲)

مقالات و مضامین

- داؤد طاہر
- نعیم حیدر
- جنید ہاشمی
- اعزاز الحق

داؤد طاہر
ادلڈ سٹوڈنٹ

"علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا"

حضرت مصلح موعودؓ کے چند علمی کارناموں کا طائرانہ جائزہ

گزشتہ سال نومبر کے ابتدائی عشرہ میں جماعتِ احمدیہ کو بالخصوص اور خواہ تسلیم کیا جائے یا نہ، ملّتِ اسلامیہ کو بالعموم اس صدمۂ عظیمہ سے دوچار ہونا پڑا امید نہیں کہ اس کے گھاؤ کبھی مندمل ہو سکیں اور ہو بھی کس طرح سکتے ہیں جب کہ عظیم خدائی بشارات کا مصداق اور قدرتِ ثانیہ کا دوسرا مظہر جس کی زندگی کا ہر سانس دینِ محمدی کی تبلیغ کے لئے وقف تھا جس کے وجود کا ذرّہ ذرّہ لوائے اسلام کو عالمِ آب و گل کے کونے کونے میں لہراتے ہوئے دیکھنے کے لئے بے تاب تھا اور جس کی ہر حرکت و سکون دینِ فطرت کی اشاعت کے لئے وقف تھا۔ کامیاب و کامران اور انتہائی طور پر قابلِ رشک و قابلِ تقلید زندگی گزارنے کے بعد مولائے حقیقی کے دربار میں حاضر ہو گیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

حضرت مصلح موعودؓ کو "نسلِ سیّدہ" اور "پنج تن" میں سے ایک ہونے کا شرف حاصل تھا کہ بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے الفاظ میں انہی پہ دین کی بنا اور بقا کا انحصار ہے۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو "پسرِ موعود" کی پیدائش کی خوشخبری دیتے ہوئے الہاماً فرمایا:۔

> "...... تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہو گا ...... اس کا نام ...... بشیر بھی ہے اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے اور وہ نور اللہ ہے۔ مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا، وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہو گا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اسے اپنے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہو گا اور دل کا حلیم اور علومِ ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا ...... فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الحق والعلاء

کان اللہ نزل من السماء۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نور جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء بحوالہ "تبلیغ رسالت" جلد اوّل صفحہ ۹۱،۶۵ مرتبہ میر قاسم علی)

اور حضرت مصلح موعودؓ کی کامیاب زندگی، فعال قیادت اور خدائی تائید و نصرت کے نظاروں سے بھرپور دورِ حیات سے سرسری سی واقفیت رکھنے والا شخص بھی یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس پیشگوئی کا ایک ایک حرف آپ کے حق میں نہایت عظیم الشان طریق سے پورا ہوا۔ اس جگہ موضوع کی نسبت سے ہم اس "خوش خبری" کا صرف ایک حصّہ "علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا" لے کر مختصر طور پر جائزہ لیتے ہوئے دیکھتے ہیں کہ یہ پیشگوئی آپ کے حق میں کس حد تک پوری ہوئی اور اگر پوری ہوئی تو اس کے کوئی ظاہری اسباب بھی تھے یا نہیں۔

سب سے پہلے تو ہمیں یہ جاننا چاہیئے کہ "وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا" کا کیا مطلب ہے یاد رہے کہ اس کا مفہوم خود حضرت فضل عمرؓ کے الفاظ میں یہ ہے:۔

"وہ علوم ظاہری سیکھے گا نہیں بلکہ خدا کی طرف سے اسے یہ علوم سکھائے جائیں گے۔ یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ وہ علوم ظاہری میں خوب مہارت رکھتا ہوگا بلکہ الفاظ یہ ہیں کہ وہ علوم ظاہری سے پُر کیا جائے گا جس کے معنے یہ ہیں کہ اس کی اپنی کوشش اور محنت اور جدوجہد کا اس میں دخل نہیں ہوگا یہاں علوم ظاہری سے مراد حساب اور سائنس وغیرہ ظاہری علوم نہیں ہو سکتے کیونکہ یہاں "پُر کیا جائے گا" کے الفاظ ہیں جو ظاہر کرتے ہیں کہ خدا تعالےٰ کی طرف سے اسے یہ علوم سکھائے جائیں گے اور خدا کی طرف سے سائنس اور حساب اور جغرافیہ وغیرہ علوم سکھائے نہیں جاتے بلکہ دین اور قرآن سکھلایا جاتا ہے۔ پس پیشگوئی کے ان الفاظ کا کہ "وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا" یہ مطلب ہے کہ اسے اللہ تعالےٰ کی طرف سے علوم دینیہ اور قرآنیہ سکھائے جائیں گے اور خدا خود اس کا معلم ہوگا"

(الموعود صفحہ ۶۲)

قبل اس سے کہ ہم اس شان و شوکت کا مشاہدہ کریں جس سے یہ پیشگوئی پوری ہوئی اور آپ کے ان علمی کارناموں پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں جو آپ نے اپنی خداداد صلاحیتوں کے بل بوتے پر سر انجام دیئے ہم آپ کی ظاہری علمیت کا جائزہ خود آپؓ کے الفاظ میں ہی لیتے ہیں۔ آپ ۲۸ دسمبر ۱۹۴۴ء کو جلسہ سالانہ کے موقع پر اپنے دعوٰئ مصلح موعود کے متعلق یادگار تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"میری تعلیم جس رنگ میں ہوئی وہ اپنی ذات میں ظاہر کرتی ہے کہ انسانی ہاتھ میری تعلیم میں نہیں تھا ۔ ۔ ۔ میری تعلیم کے سلسلہ میں مجھ پر سب سے زیادہ احسان حضرت خلیفۃ المسیح اول کا ہے۔ آپ چونکہ طبیب بھی تھے اور اس بات کو جانتے تھے کہ میری صحت اس قابل نہیں کہ میں کتاب کی طرف زیادہ دیر دیکھ سکوں (اسی کی وجہ آپ کی آنکھوں میں ککروں کی شدید تکلیف تھی جس سے آپ کی بینائی ضائع ہونے کا احتمال ہو گیا۔ تاہم حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا اور آپ صحت یاب ہو گئے مگر اس بیماری کی شدت اور اس کے متواتر حملوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی بائیں آنکھ کی بینائی بہت ہی کمزور ہو گئی) اس لئے ان کا طریق تھا کہ آپ مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے اور فرماتے میاں میں پڑھتا جاتا ہوں تم سنتے جاؤ "

پھر فرماتے ہیں :-

"حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرے استادوں سے کہہ دیا تھا کہ اس کی پڑھائی اس کی مرضی پر ہوگی۔ یہ جتنا پڑھنا چاہے پڑھے اور اگر نہ پڑھے تو اس پر زور نہ دیا جائے کیونکہ اس کی صحت اس قابل نہیں کہ یہ پڑھائی کا بوجھ برداشت کر سکے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مجھے صرف یہی فرماتے کہ تم قرآن مجید کا ترجمہ اور بخاری حضرت مولوی صاحب سے پڑھ لو۔ اس کے علاوہ آپ نے مجھے کچھ اور پڑھنے کے لئے نہیں کہا ۔ ہاں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ کچھ طب بھی پڑھ لو کیونکہ یہ ہمارا خاندانی فن ہے۔ ماسٹر فقیر اللہ صاحب ..... ہمارے حساب کے استاد تھے اور لڑکوں کو سمجھانے کے لئے بورڈ پر سوالات کیا کرتے تھے لیکن مجھے اپنی نظر کی کمزوری کی وجہ سے وہ دکھائی نہیں دیتے تھے۔ اسی وجہ سے میں کلاس میں بیٹھنا فضول سمجھا کرتا تھا۔ کبھی جی چاہتا تو چلا جاتا اور کبھی نہ جاتا۔ ماسٹر .... صاحب نے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس میرے متعلق شکایت کی کہ حضور یہ کچھ پڑھتا نہیں۔ کبھی مدرسہ میں آجاتا ہے اور کبھی نہیں۔ ... حضرت مسیح موعودؑ نے جب یہ بات سنی تو فرمایا ... مجھے آپ کی یہ بات سن کر بڑی خوشی ہوئی کہ یہ کبھی کبھی مدرسہ چلا جاتا ہے ورنہ میرے نزدیک تو اس کی صحت اس قابل نہیں کہ پڑھائی کر سکے۔ پھر ہنس کر فرمانے لگے اس سے ہم نے آٹے دال کی دکان تھوڑی کھلوانی ہے کہ اسے حساب سکھایا جائے۔ حساب اسے آئے یا نہ کوئی بات نہیں آخر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم یا آپ کے صحابہ نے کونسا حساب سیکھا تھا۔ اگر یہ مدرسہ چلا جائے تو اچھی بات ہے ورنہ اسے مجبور نہیں کرنا چاہیئے۔ یہ سن کر ماسٹر صاحب واپس آ گئے۔ میں نے اس نرمی سے اور بھی فائدہ اٹھانا شروع کر دیا اور پھر مدرسے جانا ہی چھوڑ دیا۔ کبھی مہینہ میں ایک آدھ دفعہ چلا جاتا تو اور بات تھی۔ غرض اس رنگ میں میری تعلیم ہوئی "

یہ تو ہے آپ کی مدرسی تعلیم کا حال قرآن و حدیث کی تعلیم آپ نے کس طرح اور کس حد تک حاصل کی ؟ اس سوال کا جواب آپ کے اپنے

الفاظ میں یہ ہے کہ :-

"حضرت خلیفہ اوّلؓ نے زور دے دے کر پہلے قرآن پڑھایا اور پھر بخاری پڑھا دی۔ یہ نہیں کہ آپ نے آہستہ آہستہ مجھے قرآن پڑھایا ہو بلکہ آپ کا طریق یہ تھا کہ آپ قرآن پڑھتے جاتے تھے اور ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ کرتے جاتے کوئی بات ضروری سمجھتے تو بتا دیتے ورنہ جلدی جلدی پڑھاتے چلے جاتے۔ آپ نے تین مہینوں میں مجھے سارا قرآن پڑھا دیا تھا ... قرآن کریم کی تفسیر آپ نے دو مہینے میں ختم کر دی۔ آپ مجھے اپنے پاس بٹھا لیتے اور کبھی نصف اور کبھی پورا پارہ مع ترجمہ پڑھ کر سنا دیتے کسی کسی آیت کی تفسیر بھی کر دیتے۔ اسی طرح بخاری آپ نے دو تین مہینہ میں مجھے ختم کرا دی ... چند عربی کے رسالے بھی مجھے آپ سے پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ غرض یہ میری علمیت تھی" (الموعود ص۸۸)

مگر باوجود ظاہری ساز و سامان "کی کم یابی" کے آپ نے اتنے عظیم علمی کارنامے سرانجام دیئے کہ دوستوں دشمنوں سبھی کو بیک زبان آپ کی ان خداداد علمی قابلیتوں کا اعتراف کرنا پڑ رہا ہے۔ ذیل میں آپ کے علمی کارناموں میں سے بعض کو اختصاراً بیان کیا جاتا ہے۔

علومِ قرآنی کی اشاعت اور لطیف قرآنی معارف کے بیان میں خارق عادت خداداد ملکہ!

تفسیر نویسی کے متعلق ساری دنیا کو چیلنج

لطیف قرآنی معارف بیان کرنے کے تعلق میں سب سے پہلے ہم آپ کے اس چیلنج کو لیتے ہیں جو آپ نے تفسیر کے سلسلہ میں ساری دنیا کے سامنے پیش کیا تھا مگر کسی ماں کے لال کو یہ جرأت نہ ہو سکی کہ وہ میدان میں آئے اور قرآنی معارف کے بیان میں آپ کا مقابلہ کر سکے، گو بعض علماء مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری، مولوی محمد علی صاحب (امیر غیر مبائعین) اور شیخ عبدالرحمٰن صاحب مصری (غیر مبائع) اس چیلنج کے مقابلہ میں ہمیشہ کچھ نہ کچھ لکھتے رہے مگر چونکہ وہ کبھی بھی دیانتداری کے ساتھ اس چیلنج کو قبول کرنے پر تیار نہ ہوئے تھے۔ اس لئے ہمیشہ ہی الٹی سیدھی باتیں کرتے اور ایسی ایسی شرائط عائد کرتے رہے جو اصولی طور پر چیلنج کے بالکل خلاف تھیں اور کوئی بھی عقلمند آدمی انہیں قبول کرنے کو تیار نہ ہو سکتا تھا مثلاً مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری اس چیلنج کے جواب میں ہمیشہ یہ شرط لگاتے رہے کہ ہم بے ترجمہ قرآن کریم اور کاغذ، قلم، دوات لے کر آمنے سامنے بیٹھ جائیں اور قرآن کریم کی تفسیر لکھیں۔ غالباً اس خیال سے کہ حضور کو ترجمہ بھی نہیں آتا اگر بے ترجمہ قرآن ہاتھ میں پکڑا دیا گیا تو وہ تفسیر کیا لکھیں گے حالانکہ یہ بات کتنی بعید از قیاس ہے کہ جب ایک شخص ساری دنیا کے علماء کو اپنے مقابل پر تفسیر لکھنے کا چیلنج دیتا ہے تو اسے ترجمہ بھی نہ آتا ہوگا۔ بہرحال یہی بات پیش کر کے وہ خاموش ہو جاتے رہے۔ چیلنج کے اصل الفاظ یہ ہیں کہ :-

"غیر احمدی علماء مل کر قرآن کریم کے وہ معارف روحانیہ بیان کریں جو پہلے کسی کتاب میں نہیں ملتے اور جن کے بغیر روحانی تکمیل ناممکن تھی پھر میں اُن کے مقابلہ پر کم سے کم دگنے معارف قرآنیہ بیان کروں گا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لکھے ہیں اور ان مولویوں کو کیا سوجھنے تھے پہلے مصنفین نے بھی نہیں لکھے اگر میں کم سے کم دگنے ایسے معارف نہ لکھ سکوں تو بے شک مولوی صاحبان اعتراض کریں۔ طریق فیصلہ یہ ہوگا کہ مولوی صاحبان معارف قرآنیہ کی ایک کتاب ایک سال تک شائع کردیں اور اس کے بعد میں اس پر جرح کروں گا جس کے لئے مجھے چھ ماہ کی مدت ملے گی اس مدت میں جس قدر باتیں ان کی میرے نزدیک پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں ان کو میں پیش کروں گا۔ اگر ثالث فیصلہ کردیں کہ وہ باتیں واقعی پہلی کتب میں پائی جاتی ہیں تو اس حصہ کو کاٹ کر صرف وہ حصہ ان کی کتب کا تسلیم کیا جائے گا جس میں ایسے معارف قرآنیہ بیان ہوں جو پہلی کتب میں نہیں پائے جاتے۔ اس کے بعد چھ ماہ کے عرصہ میں ایسے معارف قرآنیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب میں سے یا آپ کے مقرر کردہ اصول کی بناء پر لکھوں گا جو پہلے کسی مصنف اسلامی نے نہیں لکھے اور مولوی صاحبان کو چھ ماہ کی مہلت دی جائے گی کہ وہ اس پر جرح کرلیں اور جس قدر حصہ ان کی جرح کا منصف تسلیم کرلیں اس کو کاٹ کر باقی کتاب کا مقابلہ ان کی کتاب سے کیا جائے گا اور دیکھا جائے گا کہ میرے بیان کردہ معارف قرآنیہ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں سے لئے گئے ہوں گے اور جو پہلی کسی کتاب میں موجود نہ ہوں گے . . . . — ان علماء کے معارف قرآنیہ سے کم از کم دگنے ہوں اور وہ پہلی کسی کتاب میں موجود نہ ہوں۔ اگر میں ایسے دگنے معارف دکھانے سے قاصر رہوں تو مولوی صاحبان جو چاہیں کہیں . . . . . . اگر مولوی صاحبان اس طریق فیصلہ کو ناپسند کریں اور اس سے گریز کریں۔ تو دوسرا طریق یہ ہے کہ میرے مقابلہ پر . . . . مولوی صاحبان آئیں اور قرآن کریم کے کسی رکوع کسی جگہ سے قرعہ ڈال کر انتخاب کرلیں اور وہ تین دن تک اس ٹکڑے کی ایسی تفسیر لکھیں جس میں چند نکات ایسے ضرور ہوں جو پہلی کتب میں موجود نہ ہوں۔ اور میں بھی اسی ٹکڑے کی اسی عرصہ میں تفسیر لکھوں گا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیم کی روشنی میں اس کی تشریح بیان کروں گا اور کم سے کم چند ایسے معارف بیان کروں گا جو اس سے پہلے کسی مفسر یا مصنف نے نہ لکھے ہوں گے اور پھر دنیا خود دیکھ لے گی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن کی کیا خدمت کی ہے اور مولوی صاحبان کو قرآن کریم اور اس کے نازل کرنے والے سے کیا تعلق اور رشتہ ہے" (الفضل ۱۶ر جولائی ۱۹۲۵ء)

قرآن کریم کے پارہ اوّل کی نادر تفسیر

تختِ خلافت پر جلوہ افروز ہوتے ہی سب سے پہلا کام جو آپ نے کیا قرآنی علوم کی اشاعت کا تھا چنانچہ ۱۹۱۵ء میں جب کہ خلافتِ ثانیہ کے قیام پر ابھی دوسرا سال جا رہا تھا حضورؓ کی زیرِ ہدایت قرآن شریف کے پہلے پارہ کی تفسیر انگریزی اور اردو دو زبانوں میں تیار کرا کے شائع کی گئی۔ یہ تفسیر خود آپ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی مگر مصلحتاً آپ کے نام پر شائع نہیں ہوئی (اس کے ٹائٹل پیج پر تحریر ہے "حسب ارشاد و نگرانی حضرت اولوالعزم فضل عمر مرزا بشیر الدین محمود خلیفۃ ثانی حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام احمدی علماء کی ایک جماعت نے ترجمہ کیا اور تفسیری فوائد لکھے اور انجمن ترقی اسلام نے چھپوا کر شائع کیا) حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ کے الفاظ میں اسکی وجہ یہ تھی کہ "آپ نے جماعت کے ذمہ دار لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ میں صرف ایک نمونہ تیار کرتا ہوں آگے اسے مکمل کرنا آپ لوگوں کا کام ہوگا۔"

اس تفسیر نے نہ صرف ہندوستان بلکہ یورپ کے علمی و دست حلقوں میں بھی ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی حتیٰ کہ ایک مستشرق نے مشہور رسالہ مسلم ورلڈ (MUSLIM WORLD) میں اس تفسیر پر ریویو کرتے ہوئے یہاں تک لکھا کہ

"احمدیت کے لٹریچر کا مطالعہ ہی اس بات کا اندازہ کرنے میں مدد دے سکتا ہے کہ مذاہب کی موجودہ جنگ میں اسلام اور مسیحیت میں سے کون غالب آنے والا ہے"

(مسلم ورلڈ اپریل ۱۹۱۶ء بحوالہ "سلسلہ احمدیہ" مؤلفہ حضرت مرزا بشیر احمدؓ صفحہ ۳۵۲)

غیر ممالک میں بسنے والی تشنہ روحانیت روحوں کی پیاس بجھانے کے لئے حضورؓ نے ۱۹۳۴ء میں تحریکِ جدید کی بنیاد رکھی۔ حضور کی ہدایت کے مطابق اس تنظیم کے زیرِ اہتمام اس وقت انگریزی (ڈاکٹر چارلس ایس بریڈین صدر شعبہ تاریخ و ادبِ مذہبیات نارتھ ویسٹرن یونیورسٹی، ایونسٹن، امریکہ انگریزی ترجمہ قرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں "یہ ترجمہ (ناقل) بحیثیت مجموعی انگریزی زبان کے اسلامی لٹریچر میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے جس کے لئے دنیا جماعت احمدیہ کی از حد ممنون ہے" (تحریک جدید کے بیرونی مشنز۔ مرزا مبارک احمد) ڈچ۔ جرمن اور سواحیلی زبانوں میں تراجم شائع ہو چکے ہیں۔ ڈینش اور افریقہ کی تین زبانوں لوگنڈا (LUGANDA) کیکویو (KIKUYU) اور یوروبا (YORUBA) میں قرآن کریم کے کچھ حصص کے تراجم چھپ چکے ہیں۔ فرانسیسی ترجمہ پریس میں جا سکنے والا ہے، اور روسی، انڈونیشین اور فانٹی (FANTEE) زبانوں میں ترجمہ تیار ہو رہا ہے۔

آپ کے ہی قلم سے انگریزی زبان میں قرآن کریم کی تفسیر بھی مارکیٹ میں آ چکی ہے اور بہت سی علمی شخصیات سے خراجِ تحسین وصول کر چکی ہے۔ اس تفسیر کے ساتھ ایک مبسوط دیباچہ بھی لگا دیا گیا ہے۔

تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر کی تالیف وتصنیف

اسی سلسلہ میں آپ کا ایک اور مہتم بالشان علمی کارنامہ تفسیر کبیر اور تفسیر صغیر کی تالیف ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے قبل بہت سے علماء نے قرآن کریم کی بہت سی تفاسیر لکھی ہیں مگر ان میں چار قابل اعتراض باتیں آگئی ہیں اوّل چونکہ ان تفاسیر کی تالیف کے وقت بائیبل کی اشاعت اتنی عام نہ تھی اس لئے مفسرین نے قرآن کریم کی اُن آیات کی تشریح کرتے ہوئے جن میں موسوی سلسلہ کی تاریخ کی طرف اشارہ ہے محض یہود کی روایات پر اعتبار کرتے ہوئے غیر مستند اور غیر معقول باتوں کو بھی اپنی تفاسیر میں درج کرلیا دوم گزشتہ زمانہ میں بعض غیر مسلموں نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر بعض ایسی باتیں بانیٔ اسلامؐ اور شریعت اسلام کے متعلق بیان کرنا شروع کردیں جن کا مقصد سوائے قرآن اور رسولؐ کی ہتک کے اور کچھ نہ تھا مسلمانوں نے بجائے ان باتوں کو عقل ودانش کی کسوٹی پر پرکھنے کے ان من گھڑت قصوں کو اپنی تفاسیر میں جگہ دے کر معترضین کو خود پر دلآزار قسم کے اعتراضات والزامات عائد کرنے کا موقع دے دیا۔ سوم۔ جب قدیم مفسرین کو کوئی آیت دوسری آیت کی بظاہر مخالف نظر آئی تو بجائے اس کے کہ ان دونوں آیات کو حل کرنے کی کوشش کرتے انہوں نے ناسخ ومنسوخ کا مسئلہ نکال لیا۔ حالانکہ یہ بات کتنی واضح ہے کہ دنیا کی ہدایت کے لئے بھیجی گئی کتاب کی اگر ایک آیت بھی مشکوک ہوجائے تو درحقیقت ساری کتاب ہی مشکوک بن جاتی ہے۔ آخری نقص ان تفاسیر میں یہ پایا جاتا ہے کہ مفسرین نے قرآن مجید میں انبیاء کے حالات پر مشتمل آیات کی تفسیر کرتے ہوئے ایسے واقعات بیان کئے ہیں جن سے انبیاء جن کی سب سے بڑی خصوصیت ہی یہ ہے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں، کی نہ صرف ہتک ہوتی ہے بلکہ بعض مقامات پر تو وہ عام انسانوں سے بھی گرے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کو خدا تعالےٰ نے یہ توفیق عطا فرمائی کہ وہ قرآن مجید کی ایک ایسی تفسیر لکھیں جو موجودہ حالات کے مطابق ہو، اسلام کی صداقت ثابت کرنے والی ہو اور ساتھ ہی ساتھ ان نقائص سے بھی پاک ہو۔ چنانچہ آپ کی وفات تک گیارہ جلدوں اور تقریباً چھ ہزار صفحات میں سورۃ فاتحہ، سورۃ بقرہ، سورہ یونس تا سورۃ کہف، سورۃ مریم تا عنکبوت اور سورۃ نبا تا سورۃ الناس کی نہایت لاجواب تفسیر آپ کے قلم سے شائع ہوچکی ہے۔

علاوہ ان خوبیوں کے جو اوپر بیان ہوچکی ہیں اس تفسیر میں اصل تفسیر شروع کرنے سے قبل ہر رکوع کی حل لغات دی گئی ہے اور لغتِ عرب کے مطابق الفاظ کے مختلف معانی سے پردہ اٹھا کر اس کی مختلف تشریحات کو لوگوں کے سامنے ظاہر کرتے ہوئے قرآن مجید کے اندر پوشیدہ معانی کو بیان کیا گیا ہے نیز آیات اور سورتوں کی ترتیب ایسے رنگ میں بیان کی گئی ہے کہ قرآن کریم کے معانی کا ایک سلسلہ پوری ترتیب کے ساتھ پڑھنے والے کی سمجھ میں آجاتا ہے۔ تفسیر کبیر کی تالیف کے وقت حضور نے مستشرقین یورپ کے اعتراضات کو بھی مدنظر رکھا ہے اور ان کے مدلل ومسکت جواب فراہم کئے ہیں

پھر آپ نے ان مختلف پیشگوئیوں کو بڑی وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے جو اپنے وقت پر پوری ہو کر صداقتِ قرآن کا ثبوت بنتی رہتی ہیں اور بنتی رہیں گی۔ اور پھر اس مقام پر جہاں سے نصیحت حاصل کی جا سکتی ہو۔ وہاں نفوس کی اصلاح کے لئے مناسب رنگ میں نصائح کی ہیں نیز اس بات کا اہتمام بھی روا رکھا ہے کہ کوئی بھی دلیل جو عیسائیت کے عقائد باطلہ کو جڑوں سے کاٹتی ہو اسے خوب کھول کر واضح کیا جائے۔ دیگر تفاسیر کے مقابلہ پر تفسیر کبیر میں ایک عظیم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں آپ نے محاکم کا طریق اختیار کرتے ہوئے مختلف مفسرین کی آراء اور خیالات کو پیش کرنے کے بعد صحیح تفسیر کو مدلل لکھا ہے۔ اور قرآن کریم کے صحیح ترین مفہوم کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔

(اس تفسیر کے محاسن کی تفصیل کے لئے دیکھئے مضمون "تفسیر کبیر و تفسیر صغیر کے محاسن" از ابو المنیر نور الحق مطبوعہ الفضل جلد ۵۶/۲۱ نمبر ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹)

تفسیر کبیر کی ان تمام خصوصیات کی بناء پر ہم یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ واقعی اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کے علوم پر آپ کو خارق عادت ملکہ عطا کیا گیا تھا اور پھر ان علوم و معارف کے بیان میں آپ کو جو شاندار کامیابی حاصل ہوئی وہ آپ کی علمی قابلیت کا لوہا منوانے کے لئے بہت کافی ہے ذیل میں تفسیر کبیر کے متعلق مشہور اہل قلم مولانا نیاز فتح پوری کی رائے درج کر کے اس ذکر کو ختم کیا جاتا ہے فرماتے ہیں۔

"اس میں شک نہیں کہ مطالعہ قرآن کا ایک بالکل نیا زاویہ فکر آپ نے پیدا کیا ہے اور یہ تفسیر اپنی نوعیت کے لحاظ سے بالکل پہلی تفسیر ہے جس میں عقل و نقل کو بڑے حسن سے ہم آہنگ دکھایا گیا ہے آپ کی غیر معمولی فہم و فراست، آپ کا حسن استدلال اس کے ایک ایک لفظ سے نمایاں ہے"

پھر آپ کی تفسیر نویسی کی ایک نمایاں خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا۔

"آپ نے ..... تفسیر کرتے ہوئے عام مفسرین سے جدا بحث کا جو پہلو اختیار کیا ہے اس کی داد دینا میرے امکان میں نہیں"

آپ کی تصانیف

(خطبات جمعہ، عیدین و نکاح کے مجموعوں کے علاوہ آپ کے قلم سے کم و بیش دو سو چھوٹی بڑی تصانیف و رسائل اور پمفلٹ منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔ (الفضل جلد ۵۱ نمبر ۶۵ / ص ۱۹ کالم ۱)

حضرت مصلح موعودؓ کے مسحور کن تبحر علمی کا اظہار آپ کی ان تصانیف سے بھی ہوتا ہے جن میں مذہبی، سیاسی، اقتصادی، معاشی، اور معاشرتی وغیرہ ہر قسم کے مسائل پر ہر پہلو سے روشنی ڈالی گئی ہے طوالت کے خوف سے ہم آپ کے اس کارنامہ کو صرف چند عنوانات کے تحت بیان کرتے ہیں۔

تبلیغی تصانیف: ہمارے اس اولوالعزم امامؓ نے جہاں عوام تک پیغام حق پہنچانے کے لئے سارے ملک

کے اندر اور بیرونی ممالک میں بھی مبلغین کا ایک جال پھیلا دیا۔ وہاں بعض بڑے بڑے والیان ریاست ہائے، نوابوں اور بادشاہوں تک احمدیت یعنی حقیقی اسلام کا پیغام پہنچانے کے لئے یہ طریق اختیار کیا کہ ان کے نام تبلیغی خطوط کتابی صورت میں لکھ کر شائع فرمائے۔ اس طرح ان کتب کی افادیت صرف انہی تک محدود ہو کر نہ رہ گئی بلکہ یہ کتب عوام کی بہت سی غلط فہمیاں دور کرنے اور بہت سی سعید روحوں کو دائرہ احمدیت میں کھینچ لانے کا سبب بنیں اور جب تک یہ کتب رہیں گی انشاء اللہ بے شمار لوگوں کی ہدایت کا موجب بنتی رہیں گی ______ ان میں سے سب سے پہلی کتاب تحفۃ الملوک ہے جو آپ نے اپنی خلافت کے پہلے سال یعنی ۱۹۱۴ء میں ہندوستان کی ایک عظیم ریاست کے سربراہ نظام حیدر آباد دکن تک پیغام حق پہنچانے کے لئے لکھی۔ اسی طرح آپ کی ایک اور کتاب دعوۃ الامیر ہے (اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے ساتویں ایڈیشن کے دیباچہ میں لکھا گیا :- " اس کتاب میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے عقائد جماعت احمدیہ بیان فرماتے ہوئے معاندین سلسلہ عالیہ احمدیہ کے تمام چیدہ چیدہ ناروا اعتراضات کے ایسے مسکت و تسلی بخش جوابات تحریر فرمائے ہیں جو حق پسند طالبان تحقیق کو مطمئن و مسرور اور معاندین کو مبہوت و مغرور رہ جانے والے ہیں اور اس میں بانی جماعت احمدیہ کی صداقت پر بکثرت دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ کے ساتھ ایسے دلکش و دلنشین پیرائے میں بالتفصیل بحث فرمائی گئی ہے جو آپ ہی اپنی نظیر ہے اس لحاظ سے یہ کتاب احمدیہ لٹریچر میں ایک خاص اہمیت رکھتی ہے ") جو کہ آپ نے افغانستان کے ایک سابق حکمران امیر امان اللہ خان کو دعوت احمدیت دیتے ہوئے لکھی تھی ۱۹۲۲ء میں جب پرنس آف ویلز (ایڈورڈ ہشتم) ہندوستان آئے تو جہاں دوسرے لوگوں نے مختلف قسم کے ہدایا اور تحائف انہیں پیش کئے حضور نے ان کے لئے ایک روحانی تحفہ تیار کیا اور اس کا نام تحفہ شہزادہ ویلز رکھا۔ اس کتاب میں آپ نے شہزادہ ویلز کو اسلام میں داخل ہونے اور سلسلہ احمدیہ میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہوئے اسلام کی صداقت کو از روئے دلائل ثابت کیا ہے یہ تحفہ گورنمنٹ پنجاب کی وساطت سے ایک مرصع کشتی میں رکھ کر انہیں لاہور میں پیش کیا گیا۔ اس کتاب کا انہوں نے مطالعہ کیا اور اپنے چیف سیکرٹری کی معرفت آپ کی طرف شکریہ کا خط ارسال کیا۔ اخبار " ذوالفقار " نے اس خبر کو یوں شائع کیا :-

" تحفہ شہزادہ ویلز احمدی جماعت کی طرف سے ۲۷ فروری کو ہز ہائی نس پرنس آف ویلز کی خدمت میں معرفت پنجاب گورنمنٹ مرزا محمود احمد خلیفہ ثانی جماعت احمدیہ نے پیش کیا اس کو ہز رائل ہائی نس پرنس آف ویلز نے نہایت عزت و احترام سے قبول فرمایا اور اس کا کچھ حصہ سرسری نظر سے اسی وقت بھی دیکھ لیا۔ اس کے بعد ہمیں اطلاع ملی ہے کہ لاہور و جموں تک کے سفر میں ولی عہد صاحب بہادر نے اس کو بغور دیکھا اور بعض مقامات پر پرنس آف ویلز کا چہرہ گلاب کی طرح کھل جاتا تھا اور صاحب ممدوح نے یکم مارچ کی رات کے وقت اس تحفہ کو اول سے آخر تک دیکھ لیا اور بہت خوش ہوئے " (ذوالفقار ۲۴ اپریل ۲۲ء بحوالہ سلسلہ احمدیہ صفحہ ۱۶۴)

اخبار لیڈر (نیر دہلی) نے اپنی ۲۳ نومبر ۱۹۲۲ء کی اشاعت میں اس تصنیف پر بایں الفاظ تبصرہ کیا :-

"یہ قابل قدر کتاب نہایت سلیس انگریزی میں لکھی گئی ہے۔ جس میں انجیل کے حوالے بکثرت درج ہیں اور ایک مذہبی معلم کے لئے ہر دو مذاہب کا موازنہ کرنے کے لئے نہایت مفید ہے۔
اس کتاب کا لکھنے والا تو مسلمان ہے جیسا کہ تحریر سے ظاہر ہے لیکن شبہ ... ہے کہ وہ عیسائیوں میں سالہا سال رہا ہے اور ان کے لٹریچر کو اس نے بغور پڑھا ہے ورنہ یہ بہت مشکل ہے کہ وہ عیسائیوں کو ایسے پتہ کی باتیں ایسے دھڑلے سے سنائے۔ آج تک کوئی ایسی کتاب میری نظر سے نہیں گزری جو مذہبی بنا پر لکھی گئی ہو اور تعصب سے مبرّا رہی ہو۔ اس شان میں یہ پہلی کتاب ہے"۔

(حضرت فضل عمر کے زرّیں کارنامے صفحہ ۱۲۳ مولوی فخر الاسلام)

اسیطرح اس وقت کے وائسرائے ہند لارڈ اروِن کو بھی اس نعمت سے محروم رکھنا آپ نے مناسب نہ سمجھا چنانچہ تحفہ لارڈ اروِن کے نام سے آپ نے ایک کتاب لکھی۔ اس کتاب کی تیاری یعنی اشاعت وغیرہ کے اخراجات پورا کئے گئے ہندوستان کے سب علاقوں کے سو شہروں میں بسنے والے دس ہزار احمدیوں نے حصّہ لیا۔

لارڈ اروِن نے اس تحفہ کے جواب میں جو آپ نے ایک خط کے ذریعہ ان تک پہنچایا تھا اس خلوص کا شکریہ ادا کیا جس کے ساتھ یہ کتاب جماعت احمدیہ کی طرف سے انہیں پیش کی گئی تھی نیز لکھا

"آپ یقین رکھیں کہ ہندوستان سے جانے کے بعد آپ کی جماعت سے میری دلچسپی اور ہمدردی کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا بلکہ بدستور جاری رہے گا اور میری ہمیشہ یہ آرزو رہے گی کہ مسرت و خوشحالی پوری طرح آپ نیز آپ کے متبعین کے شامل حال رہے" (تحفہ لارڈ اروِن۔ ٹائیٹل پیج)

سیاسی تصانیف

حضور کے علمی کارناموں کا ایک اہم پہلو آپ کی سیاسی تصنیفات ہیں۔ ذیل میں ان میں سے بعض ایک کا سرسری جائزہ لیا جاتا ہے:-

۲۵- ۱۹۱۹ء میں ہندوستان میں ایک زبردست تحریک "ترک موالات" اٹھی اسے ایسا ضروری قرار دے دیا گیا کہ جو مسلمان اس پر عمل نہ کرے وہ مسلمان ہی نہیں چنانچہ جمیعۃ العلماء نے فتویٰ دے دیا کہ مسلمانوں کو اس ملک سے ہجرت کر جانے کا حکم ہے اور بہت سے مسلمان اس تحریک کی زبردست رو میں بہہ گئے بلکہ بعض مسلمانوں نے تو لگی قیمت پر اپنی جائیدادیں فروخت کرکے افغانستان کو اسلامی حکومت سمجھتے ہوئے ادھر کا رخ کر لیا۔ مسلمانوں میں اس خطرناک رجحان کو دیکھ کر آپ نے بعض عملی قدم اٹھانے کے ساتھ ایک کتاب ترک موالات اور احکام اسلام لکھی شائع کی جس میں اس وقت پیدا شدہ بے چینی کی وجوہات پر بحث کے علاوہ ترک موالات کے موافق و مخالف دلائل کا مقابلہ کرکے یہ رائے پیش کی کہ ان حالات میں ترک موالات اسلامی اصولوں کے بالکل خلاف اور مسلمانوں کی سیاسی، سماجی، اور معاشی و معاشرتی زندگی کے لئے انتہائی مہلک ہے۔ خدا کے فضل سے اس کتاب

کا اچھا اثر ہوا۔ اور مسلمانوں نے جذبات کی رو میں بہہ کر فیصلہ کرنے کی بجائے عقل کے ساتھ اس مسئلہ پر غور کیا جس کے نتیجہ میں وہ ایک خطرناک تباہی کے گڑھے میں گرنے سے بچ گئے۔

اسی طرح سائمن کمیشن اور گول میز کانفرنس کے موقعہ پر آپ نے اپنے قدیم طریق کے مطابق حکومت اور مسلمانوں کو نہایت بیش قیمت مشورے دیئے اور دو تین کتب تصنیف کر کے اس سوال کے سارے پہلوؤں پر نہایت عمدہ بحث فرمائی۔

ان میں سے سب سے زیادہ اہم مفصل اور مبسوط کتاب ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل ہے۔ بہت سے نامور لوگوں نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اس کتاب کی اہمیت کو تسلیم کیا ہے۔ سر عبداللہ ہارون، جو اس وقت ممبر آف لیجسلیٹو اسمبلی تھے نے لکھا

"میری رائے میں سیاسیات کے باب میں جس قدر کتابیں ہندوستان میں لکھی گئی ہیں ان میں سے "ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل" بہترین تصانیف میں سے ہے" (ہندوستان کے سیاسی مسئلہ کا حل ضمیمہ)

"نہرو رپورٹ" کے پیش ہونے پر بھی حضور نے مسلمانوں کی گراں بہا خدمات سر انجام دیں۔ نہرو رپورٹ کیا تھی؟ مسلمانوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑنے کی تجاویز اور پھر رفتہ رفتہ انہیں ہندوستان سے ملیامیٹ کر دینے کا طریق اس میں بیان ہوا تھا۔ اس موقع پر بھی جب کہ باقی سارے مسلمان خاموش تھے آپ نے سیاسی بصیرت سے کام لیتے ہوئے نہرو رپورٹ پر تبصرہ کے نام سے اس کا رد لکھا اور ہندوستان اور برطانیہ میں اس کی کثرت سے اشاعت کی۔ تب مسلمانوں کو ہوش آیا اور وہ ان مصائب و آلام سے بچ گئے جن میں انہیں مبتلا کرنے کے لئے آنجہانی پنڈت نہرو نے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔

پھر تحریک کشمیر کے سلسلہ میں جب کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے صدر تھے آپ کی تصنیفات خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں "برادرانِ کشمیر کے نام پہلا پیغام / .... دوسرا پیغام اور اہلِ کشمیر کے نام میرا پہلا خط تا آٹھواں خط وغیرہ ٹریکٹ اس کی مثال ہیں۔

ان تصنیفات کے علاوہ بیسیوں چھوٹے چھوٹے پمفلٹ اور اشتہارات وغیرہ جو آپ وقتاً فوقتاً حالات کے تقاضوں کے تحت چھپواتے رہے نیز آپ کے وہ خطبات اور تقاریر جن میں ملکی حالات پر تبصرہ کیا جاتا رہا ہے آپ کی سیاسی بصیرت اور اعلیٰ عملی قابلیت کی ایک روشن دلیل ہیں۔

متفرق تصانیف:۔ ان کے علاوہ آپ کی بہت سی تصانیف اسلام کے بنیادی اور اہم مسائل پر ہیں مثلاً ہستی باری تعالیٰ ہے ملائکۃ اللہ ہے تقدیر الٰہی ہے حقیقۃ النبوۃ ہے نیز محبت الٰہی ذکر الٰہی، عرفان الٰہی، حقیقۃ الرؤیا، مسئلہ نجات، فضائل القرآن اور خلافت کی اہمیت وغیرہ موضوعات پر آپ کی تصنیفات اسلامی لٹریچر میں ایک قابل قدر اضافہ ہیں، پھر اقتصادی مسائل پر آپ کی کتب ہیں مثلاً اسلام کا اقتصادی نظام اور اسلام اور ملکیت زمین کمیونزم کے رد اور جمہوریت کی حمایت میں آپ کی تصنیف کمیونزم اینڈ ڈیماکریسی خصوصیت سے دیکھی جانے کے لائق ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی انفرادی اور قومی ذمہ داریوں کی طرف ان کی توجہ مبذول کرانے کے لئے آپ نے کئی کتابیں لکھیں بہت سے لیکچر دیئے نفرت بہ شکلیں خصوصی طور پر قابل ذکر ہے ملکی فضا کو فرقہ وارانہ منافرت سے پاک رکھنے کے

لئے آپ نے بہت سی تجاویز پیش فرمائیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ”ہندو مسلم فسادات اور ان کا علاج“

غرض زندگی کے ہر پہلو پر آپ نے حالات کے مطابق روشنی ڈال کر اپنی ٹھوس علمی قابلیت کا ایک بین جاگتا ثبوت فراہم کیا ہے یہاں یہ ذکر کر دینا مناسب ہوگا کہ جماعت کا علمی معیار بلند کرنے اور غیر ملکیوں میں تبلیغ اسلام کی راہ میں سہولت پیدا کرنے کے لئے آپ کی زیر ہدایت بانی سلسلہ عالیہ احمدیہ علیہ السلام، آپؓ اور بعض علماء سلسلہ کی کئی کتب کے تراجم دوسری زبانوں میں شائع کئے گئے ہیں۔ چنانچہ صرف تحریک جدید کے زیر اہتمام چھپنے والی ایسی کتب کی تعداد نصف صد کے قریب ہے اور وہ کتب علاوہ ہیں جو مختلف مشنز - باقاعدہ طور پر شائع کرتے رہتے ہیں۔

تعلیمی اور تحقیقی اداروں کا قیام

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کا ایک اور عظیم الشان علمی کارنامہ جو علمی ہونے سے زیادہ عملی ہے، تعلیمی اور تحقیقی ادارہ جات کا قیام ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنی خاص عنایت سے ہمارے امامؓ کو ایسی آنکھ عطا فرمائی تھی جو زندگی کے ہر پہلو پر بیک وقت نگاہ رکھتی۔ چنانچہ اگر ایک طرف آپ جماعت کی دینی تربیت کے لئے ہمہ تن کوشاں نظر آتے ہیں تو دوسری طرف اس کی دنیاوی ترقی اور اس کے افراد کی ظاہری تعلیم کی طرف بھی کچھ کم توجہ نہیں فرماتے تا ہماری جماعت صرف ایک لحاظ سے ہی بام عروج تک نہ پہنچے بلکہ دوسرے پہلو پر بھی اسے عبور کامل حاصل ہو۔ اس کی ایک زندہ مثال جماعت میں تعلیمی اور تحقیقی اداروں کا قیام ہے جن کے طفیل دین و دنیا کے مناسب امتزاج سے نہایت خوبصورت نتائج حاصل ہو رہے ہیں۔ ذیل میں اشارۃً ان اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو آپ نے اس مقصد کے تحت قائم فرمائے :-

قادیان میں لڑکوں کا ہائی سکول تو پہلے ہی موجود تھا حضورؓ کے عہد خلافت میں آپ کی کوششوں اور راہنمائی کے نتیجہ میں اس کا معیار کالج تک بڑھا دیا گیا۔ پھر لڑکیوں کے لئے ہائی سکول آپ نے ہی قائم فرمایا اور سائنسی تحقیقات کے لئے فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کا قیام بھی آپ ہی کی ذاتی دلچسپی کے نتیجہ میں ہوا۔

تقسیم ملک کے بعد ربوہ میں چند سال کے اندر اندر تعلیم الاسلام ڈگری کالج جس میں ایم اے، ایم ایس سی کی کلاسز بھی جاری ہو چکی ہیں۔ جامعہ نصرت ڈگری کالج فار ویمن۔ لڑکوں کے لئے تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ لڑکیوں کے لئے نصرت گرلز ہائی سکول، دنیا کے کونے کونے میں علم اسلام لہرانے کے لئے مجاہدین تیار کرنے والا ادارہ جامعہ احمدیہ اور فضل عمر ریسرچ انسٹی ٹیوٹ وغیرہ کا قیام اور نصرت انڈسٹریل سکول جہاں عورتوں کو سلائی کڑھائی، بنائی، کلاتھ نٹنگ اور لیدر ورک وغیرہ کی تربیت دی جاتی ہے، فضل عمر کے جی سکول اور کئی پرائمری سکولوں کا وجود جماعت کا علمی معیار بلند کرنے کے سلسلے میں آپ کے ذاتی ذوق و شوق کا ایک چلتا پھرتا ثبوت ہے۔

پھر یہی نہیں کہ آپ کی مساعی ربوہ تک محدود ہوں، یہ نہ صرف پاکستان کے بعض شہروں بلکہ غیر ممالک خصوصاً

برِ اعظم افریقہ کا بھی احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ چنانچہ اندرون پاکستان جماعت کے زیر انتظام چلنے والے کئی پرائمری، مڈل، ہائی اور ہائر سیکنڈری سکولز اور تحریک جدید کے تحت افریقہ میں قائم شدہ ۲۹ سکول بیرون ملک اس تعلق میں آپ کی سرگرمیوں کی مثال ہیں

اسلامی معاشرہ میں مسجد ابتدائی درسگاہ کا کام دیتی ہے نامناسب نہ ہوگا اگر حضور کی جاری کردہ تحریک جدید کے تحت تعمیر ہونے والی ان ۳۴۳ مساجد کو بھی تعلیمی اداروں میں شامل کر لیا جائے جو اس وقت ممالک غیر میں اشاعت اسلام کا ایک موثر ذریعہ ہیں۔

صحافتی خدمات

حضرت بانیٔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی وفات کے بعد چند سال بڑے پرآشوب تھے ادھر بیرونی حملے شدید تر ہوتے گئے۔ ادھر ضعیف الایمان احمدی منافقت کا شکار ہونے لگے مگر حضرت خلیفہ اوّل کے روحانی دبدبہ کے نتیجہ میں یہ سب باتیں ابھرنے سے پہلے ہی دب گئیں تاہم آپ کی زندگی کے آخری ایام میں دشمن نے از سر نو سر اٹھایا، مخالفت کا ایک نہ تھمنے والا طوفان اٹھ کھڑا ہوا اور اندرونی اختلافات اپنے کمال کو پہنچ گئے۔ اس ناگفتہ بہ حالت میں جماعت کو کسی ایسے آرگن کی ضرورت تھی جو جماعت پر بیرونی اعتراضات اور اندرونی اختلافات کا مناسب حل پیش کر کے پیش آمدہ مشکلات کا ازالہ کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو سکے۔

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کے مشورہ سے خلافت اولیٰ کے پانچویں سال حضور رضی اللہ عنہ نے باوجود طرح طرح کی مشکلات کے "الفضل" کا اجراء فرمایا چنانچہ اس کا پہلا پرچہ ۱۸ رجون ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح رضی اللہ عنہ نے یہ نمبر پڑھ کر اس کا مقابلہ پیغام صلح سے کرتے ہوئے فرمایا "شتّان بینھما" یعنی کہ الفضل اور پیغام صلح، دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے (تاریخ احمدیت دوست محمد شاہد جلد ۴ صـ ۷۵)

اس سے قبل یکم مارچ ۱۹۰۶ء سے آپ کی ادارت میں ایک سہ ماہی رسالہ شائع ہونا شروع ہو چکا تھا جس کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجمن تشحیذ الاذہان کے نام پر تشحیذ الاذہان رکھا (تاریخ احمدیت جلد سوم صـ ۲۶۱) یہ رسالہ اگلے سال ماہوار کر دیا گیا۔ مارچ ۱۹۲۲ء سے اس کی علیحدہ حیثیت ختم کر کے اسے ریویو آف ریلیجنز (اردو) کے ساتھ مدغم کر دیا گیا

علاوہ الفضل اور تشحیذ الاذہان کے سلسلہ کے وہ تمام اخبارات و رسائل جو دنیا کی مختلف زبانوں میں وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہے رہتے ہیں ان میں سے بعض کو بعض ناگزیر وجوہات کی بناء پر بند کر دینا پڑا) علمی زندگی کے اس میدان میں آپ کے ذوق و شوق کے آئینہ دار ہیں۔ چنانچہ صرف تحریک جدید کے زیر انتظام فی الوقت دنیا کے مختلف ممالک سے انگریزی میں ایک ہفت روزہ، ایک پندرہ روزہ اور چھ ماہنامے، سواحیلی، فرانسیسی، جرمن، عربی، ڈچ، انڈونیشین اور اردو زبانوں میں ایک ایک ماہنامہ شائع ہو رہا ہے۔ ؎

؎ TEHRIK-I-JADID نور الدین منیر ایم اے صـ ۶)

خطبات اور تقاریر

حضورؓ کے علمی کارناموں کا عکس غیر واضح رہے گا اگر آپ کے خطبات اور تقاریر کا ذکر نہ کیا جائے کیونکہ آپ کے علمی کارناموں کا ایک نمایاں پہلو آپ کے وہ خطبات اور تقریریں ہیں جو آپ جمعہ، عیدین، مختلف احباب کے نکاح جلسہ سالانہ یا دیگر تقاریب پر فرماتے رہے ہیں خدا کے فضل سے آپ کو فن تقریر میں ایک قدرتی اور فطری ملکہ حاصل تھا اور حضرت قمر الانبیاءؓ کے الفاظ ہیں :-

"چونکہ ہر لفظ دل کی گہرائیوں سے نکلتا ہے اس لئے آپ کی تقریریں جماعت کی علمی اور روحانی تربیت کے لئے اکسیر ثابت ہوتی ہیں۔ آپ میں تکلف بالکل نہیں ہے اس لئے جہاں بعض اوقات آپ کی تقریر ایک ایسے دریا سے مشابہت رکھتی ہے جو ایک کامل سکون اور اطمینان کے ساتھ ایک کھلے اور ہموار میدان میں سے گزرتا ہے وہاں دوسرے اوقات میں وہ ایک ایسے مواج دریا کا رنگ اختیار کر لیتی ہیں جو پہاڑوں کے پہلوؤں سے ٹکراتا ہوا اور گرجتا اور دندناتا ہوا آگے آتا ہے، مقدم الذکر صورت جماعت کے اندر ٹھوس علمی گہرائی کا رستہ صاف کرتی ہے اور مؤخر الذکر صورت ان کے اندر جوش اور قوت عمل کا بے پناہ جذبہ پیدا کر دیتی ہے جمعہ کے خطبات عموماً حالات حاضرہ اور جماعت کی پیش آمدہ ضروریات پر ہوتے ہیں اور جماعت کو اوپر اٹھانے میں از حد مفید ثابت ہوئے ہیں۔ جلسہ سالانہ میں آپ کا یہ دستور ہے کہ ایک تقریر تو حالات حاضرہ پر ہوتی ہے جس میں سال بھر کے حالات پر ایک گونہ ریویو کر کے آئندہ سال کے پروگرام کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے اور دوسری تقریر خالصتاً علمی ہوتی ہے۔ (یاد رہے افتتاحی تقریر ان تقاریر کے علاوہ ہے) جس میں ہر سال ایک نئے میدان میں قدم رکھا جاتا ہے۔ آپ کی ان علمی تقریروں کی وجہ سے .... جماعت کے لٹریچر میں بھی ایک نہایت قیمتی اضافہ ہوتا جا رہا ہے .... آپ کی تقریریں اپنے اندر ایک خاص شان رکھتی ہیں اور ان کے ذریعہ نہ صرف جماعت کے علم میں بلکہ ان کی قوت عمل میں بھی حیرت انگیز اضافہ ہو رہا ہے۔"

(سلسلہ احمدیہ ۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ۲۲۶)

خطبات اور جلسہ سالانہ کی تقاریر کے علاوہ دیگر بہت سے جماعتی اجتماعات اور پبلک جلسوں میں بھی آپ کو تقریریں کرنے کا موقع ملتا رہا ہے۔ بطور نمونہ چند تقاریر کا ذکر کیا جاتا ہے۔

"احمدیت یعنی حقیقی اسلام" آپ کی مشہور تصنیف ہے اور اس لیکچر پر مشتمل ہے جو لندن کی ویمبلے کانفرنس منعقدہ ۱۹۲۴ء کے لئے آپ کی طرف سے لکھا گیا۔ اور کانفرنس میں پڑھے جانے والے سب مضامین میں افضل قرار پایا۔ ۲۶ نومبر ۱۹۱۹ء کو آپ نے مارٹن ہسٹاریکل سوسائٹی، اسلامیہ کالج لاہور کے ایک غیر معمولی اجلاس میں کئی ہزار کے مجمع میں "اسلام میں اختلافات کا آغاز" کے

کے موضوع پر ایک عالمانہ تقریر کی جس میں حضرت عثمانؓ کے ایام خلافت میں باغیوں اور مفسدوں کی سازشوں اور شرانگیزیوں کی کی تفصیلات پر محققانہ انداز میں بحث کی گئی ہے۔ سر عبدالقادر مرحوم نے جو اس اجلاس کی صدارت کر رہے تھے اپنے صدارتی ریمارکس میں کہا:۔

"کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان بہت تھوڑے مؤرخ ہیں جو حضرت عثمانؓ کے عہد کے اختلافات کی تہہ تک پہنچ سکے ہیں اور مہلک فتنہ کی اصل وجوہات کو سمجھنے میں کامیاب ہوئے ہیں۔ حضرت مرزا صاحب کو نہ صرف خانہ جنگی کے اسباب سمجھنے میں کامیابی ہوئی ہے بلکہ انھوں نے نہایت واضح اور مسلسل پیرایہ میں ان واقعات کو بیان فرمایا ہے جن کی وجہ سے ایوانِ خلافت مدت تک تزلزل میں رہا" (اسلام میں اختلافات کا آغاز۔ تمہید)

۳ر مارچ ۱۹۲۷ء کو آپ نے اسی کالج کی سائنس سوسائٹی کی درخواست پر زیر صدارت علامہ سر محمد اقبال حبیبیہ ہال میں مذہب اور سائنس کے موضوع پر ایک بے نظیر تقریر فرمائی جو تقریباً پانچ گھنٹے جاری رہی یہ تقریر بھی بہت پسند کی گئی (مطبوعہ ریویو آف ریلیجنز (اردو) جنوری ۱۹۳۰ء)

قیام پاکستان کے معاً بعد آپ نے "پاکستان کا مستقبل" کے عنوان پر چھ تقاریر کیں جن میں مختلف نقطۂ ہائے نگاہ سے پاکستان کے مستقبل کا جائزہ لیا گیا تھا اور پاکستان کو درپیش مختلف قسم کے مسائل سے متعلق حکومت کو بعض مفید مشورے بھی دیئے گئے تھے۔

اس سلسلہ کی سب سے پہلی تقریر دائرہ معارف اسلامیہ کے زیر اہتمام جسٹس محمد منیر کی صدارت میں آپ نے یکم دسمبر ۱۹۴۷ء کو لاء کالج کے مینارڈ ہال میں فرمائی۔ دوسری تقریر اسی جگہ ۷ر دسمبر کو ہوئی۔ عنوان تھا پاکستان کا مستقبل۔ نباتی زرعی اور حیوانی دولت کے لحاظ سے" اس اجلاس کی صدارت ملک فیروز خان نون نے کی۔ آپ نے اپنا تیسرا لیکچر پاکستان کا مستقبل معدنی دولت کے لحاظ سے" کے موضوع پر ۱۳ر دسمبر کو ارشاد فرمایا۔ اس اجلاس کی صدارت کے فرائض ڈاکٹر ملک حیات رحمان (ان دنوں پنجاب یونیورسٹی کے وائس چانسلر تھے) نے ادا کئے۔ چوتھی تقریر سر فضل حسین کی صدارت میں پاکستان کا مستقبل بری اور فضائی طاقت کے لحاظ سے" کے موضوع پر ۲۰ر دسمبر کو ہوئی۔ اس سلسلہ کی پانچویں چھٹی تقاریر بحری طاقت اور سیاست کے لحاظ سے پاکستان کا دفاع اور پاکستان کا آئین کے موضوعات پر ۱۰۔ اور ۱۷ر جنوری ۱۹۴۸ء کو ہوئیں۔ دونوں اجلاسوں کی صدارت سر عبدالقادر مرحوم نے کی (الفضل جلد ۲ (دوربانی) ۳ و ۱۵)

ساری تقاریر بڑی دلچسپی سے سنی گئیں اور خدا کے فضل سے بہت مقبول ہوئیں۔ آپ کی دوسری تقریر کے بعد سر فیروز خان نون (سابق وزیر اعظم پاکستان) نے اپنے صدارتی ریمارکس میں حضور کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:۔

"حضرت صاحب کے دماغ کے اندر علم کا ایک سمندر موجزن ہے۔ انھوں نے تھوڑے

بھی وقت بیں ہمیں بہت کچھ بنایا ہے اور نہایت فاضلانہ طریق سے مضمون پر روشنی ڈالی ہے"

اسیطرح میر عبدالقادر مرحوم نے حضور کی پانچویں تقریر کے بعد بحیثیت صدر جلسہ ان لیکچرز کے متعلق یہ رائے قائم کی۔

"حضرت مرزا صاحب نے ان لیکچرز کے ذریعہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ کی بہت بڑی خدمت کی ہے"

بہت سے اخبارات میں آپ کی تقاریر کی رپورٹیں شائع ہوتی رہیں۔ لاہور کے چند اخبارات یہ ہیں ، نظام ، سفینہ ، آغاز زمیندار ، طاقت ، ایسٹرن ٹائمز۔

المختصر جب ہم ان حالات کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں آپ نے دینی و دنیوی تعلیم حاصل کی اور پھر ان کے عظیم الشان علمی کارناموں کا جائزہ لیتے ہیں جن کا عشر عشیر بھی یہاں بیان نہیں ہو سکا۔ تو ہمارے لئے یہ تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں رہتا کہ فی الحقیقت آپ ہی مصلح موعود کی پیشگوئی کے حقیقی مصداق تھے۔ وہ مصلح موعود جس کے متعلق خود خدا نے خبر دی تھی کہ وہ

"علوم ظاہری و باطنی سے پر کیا جائے گا"

حسنِ انتخاب

وہ کشتی جس کی قسمت میں لکھا ہو ڈوب ہی جانا
اگر طوفاں سے بچ نکلے کنارے ٹوٹ جاتے ہیں

(مرسلہ محمد احمد)

نیند اس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اس کی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

(مرسلہ منور احمد)

سب کے جگر میں خون ہے میرے جگر میں درد ہے
سب کا شباب لال ہے میرا شباب زرد ہے

(مرسلہ ذوالفقار کوکب)

میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں
وہ تبسم ، وہ تکلم ، تیری عادت ہی نہ ہو

(مرسلہ ناصر احمد عتیق)

میران نیم باز آنکھوں میں
ساری مستی شراب کی سی ہے

(مرسلہ منور احمد ملک)

ساری دنیا کے ہیں وہ میرے سوا
میں نے دنیا چھوڑ دی جن کے لئے

(مرسلہ ناصر احمد طاہر)

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

(مرسلہ داؤد احمد)

محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

(مرسلہ طاہر حافظی)

سید نعیم حیدر

پرچمِ اسلام کا محافظ

ہے ساعت سعد آئی اسلام کی جنگوں کی
آغاز تو میں کر دوں انجام خدا جانے

(سیدنا المصلح الموعود)

یہی وہ پرچمِ اسلام کا محافظ ہے
کہ جو ہے فضلِ عمر اور احمدِ ثانی

بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کے وصال پر تقریباً ۶ سال کا عرصہ گزرا تھا جب کہ حضرت مرزا البشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود رضؓ منصبِ خلافت ثانیہ پر متمکن ہوئے آپ وہ موعود فرزند تھے جن سے متعلق آسمانی بشارات حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر ظاہر ہوئی تھیں اور جو ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کو مشہور عالم اشتہار میں شائع کی گئیں پیشگوئی کے الفاظ یہ تھے:-

"سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام تجھے ملے گا ..... وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا .... وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری اور باطنی سے پر کیا جائے گا .... دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مظہر الاول والآخر مظہر الحق والعلاء کان اللّٰہ نزل من السماء .... اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا وکان امراً مقضیا"

اس پیشگوئی کے تین سال بعد اس فرزند دلبند گرامی ارجمند کی ولادت ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو ہوئی۔ اور اس وجیہہ اور پاک لڑکے اور زکی غلام کا نام مرزا البشیر الدین محمود احمد رکھا گیا۔ آپ نے ابتدائی چند سال تعلیم الاسلام ہائی سکول قادیان

میں تعلیم حاصل کی - درجہ بدرجہ اوپر آتے گئے اور میٹرک کے امتحان میں ناکام رہنے سے آپ کا رسمی تعلیمی باب ختم ہوا۔ شائد اللہ تعالیٰ آپ کی نامکمل تعلیم سے اپنے اس کلام کی غیر معمولی عظمت کا اظہار کرنا چاہتا تھا کہ "وہ علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا" اور آپ کا علوم ظاہری و باطنی سے پُر ہونا باوجود نامکمل تعلیم کے دنیا بھر کے ظاہری و باطنی علماء کے لئے محیر العقول ہے -

حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے بعد خلافت اولیٰ کے زمانہ میں آپ کی تمام تر توجہ قرآن کریم اور دیگر علوم اسلامیہ کے مطالعہ میں لگی ہوئی تھی اور آپ کی اس تعلیم کے نگرانِ اعلیٰ خود حضرت مولانا نورالدین رضؓ خلیفۃ المسیح الاوّل تھے اور انہی ایام میں جب آپ بلحاظ عمر سکول کے طلباء کے درجہ میں شامل تھے آپ نے مارچ ۱۹۰۶ء میں رسالہ تشحیذ الاذہان جاری فرمایا جس کی ادارت کے فرائض بھی آپ خود ہی سرانجام دیتے تھے اس رسالہ میں دینی عقائد و مسائل پر خالص علمی نقطۂ نظر سے بحث کی جاتی تھی - آپ کی اس زمانہ کی تحریرات بھی وسیع مطالعہ اور گہرے مسلک کی شہادت دیتی ہیں ۱۹۱۱ء میں آپ نے ایک انجمن قائم کی جس کا نام مجلس انصار اللہ رکھا گیا اور جس کے قیام کی غرض جماعت احمدیہ میں تبلیغی و دینی مقاصد کے حصول اور تکمیل کے لئے زیادہ سے زیادہ جوش پیدا کرنا تھی

بعض اوقات آپ جماعتی جلسوں میں شرکت کے لئے قادیان سے باہر بھی جاتے تھے ۱۹۱۲ء میں آپ نے اسلامی درسگاہیں دیکھنے کی غرض سے بعض مقامات کا سفر اختیار کیا۔ آپ ۲۶ ستمبر ۱۹۱۲ء کو سفر عرب و مصر کے لئے روانہ ہوئے اور اس سفر کے دوران آپ حج بیت اللہ سے بھی مشرف ہوئے اور ۱۲ جنوری ۱۹۱۳ء کو واپس تشریف لائے -

جون ۱۹۱۳ء میں آپ نے اخبار الفضل کا اجراء کیا جو ابتداءً ہفتہ میں دو بار شائع ہوتا تھا اور جلد ہی روزانہ شائع ہونے لگا جسے آج سلسلہ میں ایک ممتاز اخبار کا مقام حاصل ہے - اور اس اخبار کی ادارت بھی آپ ہی کے ذمہ تھی اس وقت اس اخبار میں موضوعات مثلاً سیرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم - اسلامی تعلیم و عقائد، تاریخ اسلام، سلسلہ احمدیہ کی خصوصیات وغیرہ پر نہایت عمدہ مضمون شائع ہوتے تھے اور اس کا معیارِ صحافت نہایت ہی بلند تھا - اور یہ سب کچھ آپ ہی کی محنت کا اجر تھا -

۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو خلیفہ اوّل کی وفات کے بعد جماعت نے آپ کو خلیفہ منتخب کیا - اس وقت آپ کی عمر ۲۵ سال سے چند مہینے ہی اوپر تھی - آپ کے خلیفہ منتخب ہونے پر جماعت میں ایک اختلافی تحریک نے سر اٹھایا جس کے بانی اور سرکردہ مولوی محمد علی تھے - اور آپ چاہتے تھے کہ نظام خلافت عملاً ختم ہو جائے اور سلسلہ کی باگ ڈور صدر انجمن احمدیہ کے ہاتھ میں رہے کیونکہ آپ اس زمانہ میں اس انجمن کے سیکرٹری تھے مگر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کمال فہم و فراست سے اس فتنہ کا سر کچل دیا اور مولوی محمد علی کے چند رفقاء نے اپنی ایک علیحدہ جماعت قائم کر لی اور لاہور میں رہائش اختیار کر لی۔ جماعت کے ۹۰ فی صد سے زائد افراد نے آپ کو خلیفہ تسلیم کرتے ہوئے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لی

آپ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد سلسلہ احمدیہ کی ازسرِ نو تنظیم فرمائی اور خلافت کے پانچویں سال ۱۹۱۹ء کے آغاز میں نظارتوں کی تشکیل عمل میں آئی ۱۹۲۵ء میں نظارتیں صدر انجمن احمدیہ میں مدغم کر دی گئیں جس پر موجودہ نظام قائم ہے۔ نظارتی نظام کے ساتھ ہی آپ نے محکمہ قضا کی بنیاد بھی ڈالی جس کے تحت مقدمہ کی سماعت ہوتی اور فیصلہ قاضی دیتا ہے اس کے بعد اپیل بورڈ کے روبرو اور بورڈ کے بعد خلیفہ کے سامنے ہو سکتی ہے یہ محکمہ صرف ان مقدمات کے فیصلہ جات کا حق رکھتا ہے جن کا ملکی قانون کے ماتحت حکومت کی عدالتوں میں جانا لازمی نہیں۔ اس محکمہ سے ایک بہت بڑا مالی فائدہ یہ ہوا کہ فریقین عدالتوں کے بھاری اخراجات کے بوجھ سے بچ گئے ہیں کیونکہ یہ محکمہ کوئی فیس وغیرہ وصول نہیں کرتا۔

۱۹۲۲ء میں آپ نے مجلس شوریٰ کا اجرا فرمایا۔ اس مجلس کے قیام کی غرض یہ تھی کہ معاملات کو صحیح طور پر اور احسن رنگ میں باہم مل جل کر طے کیا جائے۔ بہر حال آخری اور حتمی فیصلہ آپ خود دیتے تھے۔ مجلس شوریٰ صرف مشورہ دیا کرتی تھی۔ آپ کا قاعدہ یہ رہا ہے کہ آپ عموماً مجلس کے متفقہ مشورہ کو منظور فرما لیتے تھے۔

جماعت کی تربیت کی تکمیل اور ان کی سرگرمیوں میں تازگی قائم رکھنے کے لئے آپ نے کمال فہم و ذہانت سے کام لیتے ہوئے جماعت میں مختلف مجالس قائم کیں۔ عورتوں کی ایک مجلس مسمیٰ مجلس لجنہ اماء اللہ قائم کی۔

اسی طرح مردوں کی تین مجالس قائم کیں۔ جن میں پہلی مجلس میں سات سال سے لے کر چودہ سال تک کی عمر کے بچے شامل ہیں۔ اس کو مجلس اطفال الاحمدیہ کہتے ہیں۔ اس کا مقصد بچوں کو سلسلہ احمدیہ کے مقاصد اور نصب العین ذہن نشین کرانا اور ان کی عادات و عمل کو سلسلہ کے مطابق ڈھالنا ہے۔

پھر پندرہ سال سے لے کر ۴۰ سال تک کی عمر کا نوجوان طبقہ ہے۔ اس طبقہ کو ایک علیحدہ مجلس میں شامل کیا جس کا نام مجلس خدام الاحمدیہ رکھا۔ اور جس کا مقصد آپ نے یہ بیان کیا۔

" میں دیکھ رہا ہوں کہ سلسلہ پر کیا کیا حملہ کیا جائے گا اور میں دیکھ رہا ہوں کہ ہماری طرف سے ان کا کیا جواب دیا جائیگا ایک ایک چیز کا اجمالی علم میرے ذہن میں موجود ہے اور اسی کا ایک حصہ خدام الاحمدیہ ہیں۔ اور در حقیقت یہ روحانی ٹریننگ اور روحانی تعلیم و تربیت ہے " (الفضل، اپریل ۱۹۳۹ء)

چالیس سال سے اوپر کی عمر کے مردوں کو مجلس انصار اللہ میں شامل قرار دیا جن کی زیادہ تر سرگرمیاں علمی اور دماغی ہوتی ہیں۔

عام تعلیمی سہولت کے لئے لڑکوں اور لڑکیوں کے لئے علیحدہ علیحدہ سکول اور کالج قائم کئے۔ جن میں دینی تعلیم لازمی قرار دی گئی اور اسی طرح ایک سائنس ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بھی قائم کیا۔

ہماری جماعت کا سب سے اہم کام تبلیغ ہے احمدیت در اصل اسلام ہی کا نام ہے اور احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ اس

سلسلہ کا نام احمدیت صرف اور صرف جماعت اور عام مسلمان طبقہ کے درمیان تمیز کرنے کے لئے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے تجویز فرمایا۔

آپ کے عہد میں سلسلہ کے تبلیغی نظام کو بہت وسعت دی گئی۔ اور اسلام کو دنیا کے ہر کونے میں پہنچایا گیا۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں تبلیغ اسلام کا کام ہماری جماعت سرانجام دے رہی ہے اور جہاں جہاں بھی ہمارے مشن قائم ہیں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ دورِ خلافت ثانیہ ہی کا کارنامہ ہے۔ اس سلسلہ میں کیا امریکہ کیا افریقہ جو کہ تاریک براعظم کہلاتا ہے اور کیا یورپ اور کیا آسٹریلیا تمام جگہ ہمارے مشن، ہماری مساجد اور ہمارے تعلیمی ادارے قائم ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے فضل سے دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہے ہیں۔

آپ کے فہم۔ آپ کی فراست اور ذہانت پر اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ جب ۱۹۲۳ء میں شدھی کی تحریک ملکانہ علاقوں میں شروع ہوئی تو آپ نے اس کا تدارک کیا اور کثیر رقم اور کام کرنے والوں کی بڑی تعداد کے پیش نظر آپ نے جماعت میں تحریک کی کہ وہ لوگ جو تین تین ماہ تک اپنے خرچ پر ایسے علاقوں میں مرکز سلسلہ کی ہدایات کے تحت کام کرنا چاہیں خود کو پیش کریں۔ اس کے علاوہ جو لوگ خود کو وقف کر سکتے ہیں اور وہ جو اس کارِ خیر میں حصہ لینا چاہتے ہیں مگر اپنی خدمات پیش نہیں کر سکتے وہ تین مہینہ کے لئے ایک شخص کے اخراجات برداشت کریں۔ چنانچہ آپ کی اس اپیل پر بہتوں نے لبیک کہا اور ہندو مہاراجوں کی پشت پناہی کے باوجود تحریک شدھی ناکام ہوگئی۔

اسی طرح ۱۹۳۴ء میں بعض ناگزیر حالات پیش آئے اور جماعت کو ایک نازک دور میں سے گزرنا پڑا اور خطرناک صورتِ حالات پیدا ہوگئی۔ اس وقت بھی آپ نے فہم و دوراندیشی سے حالات پر قابو پالیا اور تحریک جدید کا آغاز فرمایا۔ جس کی وجہ سے جماعت کی مالی حالت مستحکم ہوگئی اور جماعت کا تبلیغی نظام وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔

آپ کی تحریروں اور تقریروں کا مجموعہ نہایت ضخیم ہے۔ آپ نے ۲۸ جنوری ۱۹۴۴ء کو مصلح موعود ہونے کا اعلان کیا۔ آپ کا سب سے شاندار علمی کارنامہ قرآن کریم کی تفسیر ہے جس کی موجودگی میں قرآنی تعلیمات سے آگاہی حاصل کرنے کے لئے کوئی اس کی مثل۔ جامع اور محفوظ ذخیرہ اس زمانہ میں میسر نہیں ہے آپ نے اپنی تصنیف "احمدیت یعنی حقیقی اسلام" میں انسانی زندگی کے مختلف شعبوں اور پہلوؤں کی نسبت اسلامی تعلیم کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے آپ نے اپنی بعض دوسری تصانیف اور تقاریر میں اسلامی عقائد کی حکمت اور ان کے فوائد کی تشریح فرمائی ہے۔ مثلاً ہستی باری تعالیٰ، تقدیر الٰہی، ملائکۃ اللہ وغیرہ۔

آپ نے متعدد تصانیف ممتاز شخصیتوں تک پیغامِ حق پہنچانے کے لئے بھی تحریر فرمائیں۔ جن میں دعوۃ الامیر تحفۃ الملوک، تحفہ شہزادہ ویلز، تحفہ لارڈ ارون۔ شامل ہیں یہ وہ معرکۃ الآراء کتب ہیں جن میں آپ کے قلم سے زبردست دلائل کی بنا پر احمدیت اور اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی ہے

آہ ! آج یہ قیمتی وجود اپنے پیچھے یادوں کا اتنا عظیم علمی و تخلیقی سرمایہ چھوڑ کر ہمیں اکیلا چھوڑ گیا اور خود جا بسا ہے یہی وہ شخص ہے جس سے متعلق کان یہ سننا گوارا نہ کرتے تھے کہ اس شخص پر بھی موت وارد ہوگی ۔ مگر یہ تو سنت خداوندی ہے جو اس دنیا میں پیدا ہوا اس کو آخر مرنا بھی ہے ۔ اور بالآخر ہم آپ ہی کے اس شعر کے مطابق ؎

ہو فضل تیرا یارب یا کوئی ابتلا ہو ! راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو ۔

اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق کہ تم میری رضا پر راضی رہو اس کی رضا پر راضی ہیں اور خدا تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے آمین

اللہ تعالیٰ نے آپ کو نہایت مقناطیسی شخصیت عطا فرمائی تھی جو اپنوں اور بیگانوں کے لئے غیر معمولی جذب و کشش کا موجب تھی آپ کی زندگی نہایت اعلیٰ خلق اور شفقت کا نمونہ تھی ۔ باوجود گرانقدر ذمہ داریوں کے آپ ہر وقت بشاش نظر آتے تھے ۔ مہمان کی تواضع اور خاطرداری کا جذبہ آپ میں بدرجہ اتم موجود تھا ۔ جو وقت بھی کوئی شخص آپ کی صحبت میں گزارتا تھا وہ اس کے لئے روحانی اور اخلاقی تربیت کا موجب ہوتا تھا ۔ بڑے ، چھوٹے ، عالم اور کم علم والے مسلم و غیر مسلم سب آپ کے روحانی اور دماغی دسترخوان سے فائدہ اٹھاتے تھے ۔ جو شخص بھی چاہتا کسی بھی دینی ، علمی یا اخلاقی مسئلہ پر آپ سے سوال کرتا آپ مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو بھی نہایت عام فہم طریق پر واضح فرماتے ۔ آہ ! آپ کی ان محفلوں میں حصہ لینے والے دماغی تازگی اور روحانی نور حاصل کر کے لوٹتے تھے مگر یہ پاک صحبت اس قدر جلد ختم ہو گئی ۔

غرض کہ آپ کی ذات صفات حسنہ کا ایک ایسا دلکش مجموعہ تھی جس کا ایک شخص کے وجود میں ظہور نادر ہے ۔ آپ ضرورت کے وقت شعر بھی کہتے تھے اور ظاہری و باطنی علوم کا سرچشمہ بھی تھے ۔ آپ تخیل اور عمل کے میدانوں کے یکساں شاہسوار تھے ۔ آپ کی زندگی کا تمام حصہ ذکر اور فکر میں گزرا میدان عمل میں آپ ایک اولوالعزم اور جری قائد تھے ۔ آپ صاحب الہام و کشوف و رؤیا تھے اور پھر ان بشارتوں کو جو آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتی تھیں عملی جامہ پہنانے میں آپ نہایت مستعد تھے ۔ چھوٹی سے چھوٹی جزئیات بھی آپ کی توجہ کو جذب کر لیتی تھیں اور بڑی سے بڑی مہم آپ کے تدبر اور ہمت کے مقابلہ میں آسان ہو جاتی تھی ۔ آپ ایک نہایت شفیق اور قدردان آقا ، نہایت مخلص اور کامیاب رہنما ، نہایت بشاش اور حوصلہ افزا رفیق اور نہایت دانشمند بالغ نظر اور دوربین مشیر اور مدبر تھے لیکن آپ کی زندگی نہایت ہی سادہ اور زاہدانہ تھی اور ہر قسم کی نمائش اور تکلف سے پاک ۔ اور آپ کا پاک نفس اسی دنیا میں راضیۃ مرضیۃ کا نقشہ پیش کرتا تھا ۔ ایمان آپ کی زندگی کی بنیاد تھا ۔ صدق ، سادگی اور اخلاص آپ کی زندگی کے اصول تھے عزم ، استقلال اور کامیابی آپ کی زندگی کی قدر و قیمت قائم کرتے تھے کاش آپ کے مخالفین نے آپ کی قدر و منزلت کو پہچانا ہوتا ۔

؎ یہی وہ گوہر مقصود ہے میرا ! کہ جس کی ذات پہ نازاں ہے نور ایمان ۔

جنید ہاشمی

علم بیان میں تشبیہ کا مقام

علم بیان میں کسی شے کا دوسری شے کے ساتھ ایک ہی معنے میں شریک ہونے کو تشبیہ کہتے ہیں۔ اوّل شے کو مشبہ اور ثانی کو مشبہ بہ کہتے ہیں۔ اور جس معنی میں دونوں شریک ہوں اُسے وجہ شبہ کہتے ہیں اور جس غرض کے لئے تشبیہ دی جائے وہ غرض تشبیہ کہلاتی ہے۔

کلام میں مشبہ و مشبہ بہ (یعنی تشبیہ) چار طرح پر آسکتی ہے:-

۱۔ مشبہ و مشبہ بہ دونوں حسّی ہوں، یعنی دونوں ایسی اشیاء ہوں جن کا ادراک حواسِ خمسہ سے ممکن ہو۔

۲۔ مشبہ و مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں، یعنی ان کے ادراک کے لئے حواس کا دخل نہ ہو بلکہ صرف عقل سے معلوم ہو سکیں مثلاً اگر علم کو زندگی سے اور جہالت کو موت سے تشبیہ دی جائے تو یہ تشبیہ عقلی ہوگی۔

۳۔ مشبہ عقلی ہو لیکن مشبہ بہ حسّی ہو۔ مثلاً عمر کو دھاگے سے اور موت کو گُرگ سے تشبیہ دی جائے

۴۔ مشبہ تو حسّی ہو لیکن مشبہ بہ عقلی ہو۔ جیسے زلف کو اس کی سیاہی کی وجہ سے گنہگاروں کے نامۂ اعمال سے یا گُندھی ہوئی چوٹی کو مصرعِ پیچیدہ کہا جائے۔

اب تشبیہ حسّی کے ادراک کے لئے انسان میں پانچ حواس موجود ہیں اس کے مطابق ایک ایک مثال درج ذیل ہے۔

۱۔ قوتِ باصرہ:-

سُن کے یہ مژدہ جاں بخش جو میں کھول آنکھ
اشعۂ نور کی سی مجھ کو نظر آئی جھلک

۲۔ قوتِ سامعہ:-

بلبلِ خوش نغمہ ہوں لیک اس گلستاں میں جہاں
نالۂ مرغِ چمن سے کم نہیں فریادِ زاغ

۳۔ قوتِ شامہ :۔

چمن میں کس کی مدارت تھی بتا تو نسیم
کہ صبح غنچوں کے سب عطردان کھول دیئے

۴۔ قوتِ ذائقہ :۔

خونِ جگر شراب ترشح ہے چشمِ تر
ساغر مرا گرد نہیں ابرِ بہار کا

۵۔ قوت لامسہ :۔

جس کفِ پا کو برگِ گل ہے خار
حیف ہے گر ہو خار سے وہ فگار

اگر مشبہ اور مشبہ بہ دونوں کا وجود محض قوت متخیلہ نے اختراع کیا ہو اور ظاہر میں اس کا موجود ہو نا محسوس نہ ہو۔ تو اسے تشبیہ خیالی کہتے ہیں۔ مگر اس کے اجزاء اگر خارج میں موجود اور محسوس ہوں تو اسے تشبیہ حسی میں شامل سمجھا جاتا ہے۔ البتہ بعض اوقات محض وہم بعض صورتیں اختراع کر لیتا ہے اور قوت متخیلہ اسے ترتیب دے لیتی ہے ایسی تشبیہ کو ہم تشبیہ وہمی کہیں گے۔ مثلاً

باغ پاکر خفقانی یہ ڈراتا ہے مجھے
سایۂ شاخِ گل۔ افعی نظر آتا ہے مجھے — غالب

یا جیسے "دس سروں والا انسان" کے اجزاء خارج میں محسوس ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ اختراع وہم پر مبنی ہے۔

بعض اوقات مشبہ اور مشبہ بہ کا ادراک محض قوت وجدانی سے ہوتا ہے

زاہد کو کیف ہے نعمت جنت کے ذکر سے
جو لطف ہے شراب میں کوثر میں وہ کہاں

اہل بلاغت نے تشبیہ وجدانی اور تشبیہ وہمی کو بھی تشبیہات عقلی میں شامل کیا ہے تشبیہ خیالی اور وہمی میں یہ فرق ہے کہ خیال صرف محسوسات میں تصرف کر سکتا ہے۔ مگر وہم اشیائے نادیدہ کی صورت بنا کر کھڑی کر سکتا ہے اور خود مختلف صورتیں اختراع کرتا ہے۔

وجہ شبہ :۔

وجہ شبہ وہ معنی ہیں جس میں مشبہ اور مشبہ بہ دونوں اس میں شریک ہوتے ہیں، جیسے سرخی، گل اور رخسار میں مشترک ہے جس طرح شجاعت زید اور شیر میں برابر کی ہے۔ وجہ شبہ کی بھی کم از کم تین قسمیں ہیں۔

۱۔ **وجہ شبہ واحد:**۔ یہ حسّی بھی ہو سکتی ہے اور عقلی بھی۔ جیسے رخسار کو گل کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں مشبہ و مشبہ بہ دونوں حسّی ہیں۔ اس لئے سرخی وجہ شبہ بھی حسّی ہے لیکن زید کو شیر کے ساتھ تشبیہ دینے میں جرأت "وجہ شبہ واحد عقلی ہے۔ اس میں ضروری نہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں عقلی ہوں بلکہ خواہ وہ دونوں عقلی ہوں یا حسّی، یا ایک عقلی اور ایک حسّی۔ کیونکہ عقل محسوسات کا بھی ادراک کر سکتی ہے، مگر حس معقولات کے ادراک سے عاجز ہے۔

۲۔ **وجہ شبہ مرکب:**۔ اس میں ضروری نہیں کہ مشبہ اور مشبہ بہ دونوں یا ایک بھی مرکب ہوں، بلکہ صرف وجہ شبہ مرکب ہوگی مثلاً انگور اور چشم میں گولائی، سرخی اور گرمی تینوں چیزیں موجود ہیں۔ یا مثلاً لڑائی میں غبار کا بلند ہونا اور اس میں تلواروں کی چمک مشبہ ہو اور شبِ تاریک شہابِ ثاقب مشبہ بہ ہو تو وجہ شبہ اس میں ایک کالی چیز کے اطراف و جوانب میں دراز و پراگندہ روشن چیزوں کا حرکت کرنا ہے یا مثلاً اس شعر میں ؎

رقص میں مہروش ہے اس طرح سے جلوہ گر
جیسے آب موجزن میں عکس ہو خورشید کا

آفتاب۔ آب۔ مہروش۔ رقص کے درمیان حرکت۔ روشنی وغیرہ کئی ایک اشیاء سے ہیئت بن جاتی ہے۔

شاخ میں گل کی نزاکت یہ بہم پہنچی ہے
شمع ساں گرمیٔ نظارہ سے جاتی ہے پگھل

اس میں ایک شے کا راست اور دراز اور اس کے سر پر ایک سرخ شے کا نصب ہونا وجہ شبہ ہے۔

۳۔ **وجہ شبہ مرکب عقلی:**۔ جیسے عالم بے عمل کو ایسے گدھے سے تشبیہ دیں جس پر کتابیں لادی جاتی ہیں تو اس میں وجہ شبہ یہ امر ہوگا" مصائب برداشت کرنے کے باوجود کسی مفید چیز کا فائدہ نہ ہو" پس وجہ شبہ مرکب عقلی بھی ہو سکتی ہے۔ اور متعدد بھی اور اس کے اجزاء ایک سے زائد بعض حسّی بھی ہو سکتے ہیں اور بعض عقلی بھی۔ مثلاً:۔

آفتاب صبحِ محشر داغ پہ دل کے مرے
حکم رکھتا ہے طبیبو مرہم کافور کا

یہاں یہ خیال رہے کہ بعض اوقات دو متضاد چیزوں کو آپس میں تشبیہ دے کر تضاد کو وجہ شبہ بھی قرار دیا جاتا ہے۔ اس سے مقصود محض طنز و استہزاء یا ظرافت و خوش طبعی ہوتی ہے۔ مثلاً کسی بخیل کو حاتم یا نامرد کو رستم سے تشبیہ دی جائے۔

غرضِ تشبیہ :- تشبیہ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ مشبہ کا حسن یا قبح بیان اور واضح ہو جائے مثلاً :-

تجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جوں نگاہ
تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا — ذوقؔ

دعویٰ یہ ہے کہ محبوب باوجود آنکھوں میں ہونے کے آنکھوں سے پوشیدہ ہے۔ جو بظاہر ممتنع اور بعید ہے لیکن جب اسے نگاہ سے تشبیہ دی تو اس کا امکان معلوم ہو گیا۔

رکھتا ہے پُر غرور کو جوں نیزہ سر بلند
جوں جادہ خاکسار کو دے ہے زمیں پہ ڈال — سوداؔ

یہاں پُر غرور کے سر بلند رکھنے اور خاکسار کے زمین پہ ڈالنے کا حال نیزہ اور جادہ کی تشبیہ سے واضح ہو گیا۔

نہیں ہوں طالب رزق آسماں سے کہ مجھے
یقین ہے کاسۂ واژوں میں کچھ نہیں ہوتا

آسماں کو ایک الٹے ہوئے پیالے سے تشبیہ دی گئی ہے جس سے اس کا نعمت سے خالی ہونا ظاہر کیا گیا، اسی طرح دانتوں کو موتی سے اور لبوں کو یاقوت سے تشبیہ دینے سے مشبہ کی زینت اور حسن بیان کی جاتی ہے اس کے علاوہ تشبیہ سے ندرتِ بیان اور طرفگیٔ کلام کا اظہار ہوتا ہے۔

تشبیہ کی تقسیم کئی دیگر اعتبار سے بھی ہو سکتی ہے لیکن عدم گنجائش کی بنا پر صرف چند ایک اشعار نمونۂ ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

(۱)
نہ کر ساقی مجھے مائل کہ مینا میری نظروں میں
لگے ہے مثلِ خاکستر کہ اس میں آگ پنہاں ہے

(۲)
ہر گُلِ رنگِ حنا پہ یوں عرق دے ہے بہار
لالہ زار اوپر ہو شبنم جس طرح گوہر فشاں

(۳)
نہا کے افشاں جبیں جبیں پہ نچوڑ دو زلفوں کو جس کے
دکھا دو عاشق کو اس ہنر سے فلک پہ بجلی زمیں پہ باراں

(۴)
سمور و قاقم و سنجاب ہے سرما میں منعم کو
رکھیں ہیں آسرا مسکین و لیخ و لنگ آتش کا

جو ناتواں نہ کریں دستگیریٔ دشمن
تو خار و خس نہ کرے شعلہ کو کبھو برپا

چونکہ کلام میں تشبیہات کی غرض مشبہ کی کیفیت کا اظہار اور امکان بیان کرنا مقصود ہوتا ہے اس لئے ضروری ہے کہ وجہ شبہ بہت مکمل اور مشہود ہو اور مشبہ بہ کے حال کے عین مطابق ہو۔ دوسرے اس کے حسن و قبح اور ندرت و طرفگی کے لئے مشبہ بہ اگر مخفی تر اور نادر ترین ہو تو تشبیہ کامل اور قوی تر سمجھی جائے گی۔ اگلے دنوں میں چونکہ زمانہ زیادہ ترقی یافتہ نہ تھا اس لئے قدرتی طور پر تشبیہات کا دائرہ بھی محدود اور ماحول کے مطابق تھا۔ اب جبکہ نت نئے انکشافات و ایجادات کا دور دورہ ہے اس لئے تشبیہات میں بھی ندرت و وسعت کا پیدا ہونا قدرتی امر ہے۔

زمانۂ حاضر میں اگر ہلالِ عید کو روٹی کے ٹکڑے سے تشبیہ دیں تو مضحکہ خیز بات بنتی ہے ؎

اک لب نان کے لئے حیران ہوتے شہر شہر
مثل ماہِ نو در پڑے پھرتے ہیں عالی ہمتاں

لیکن آج کل کا شاعر جب کہتا ہے ؎

بام سے چاند دیکھتے ہیں وہ
بام پر چاند دیکھتا ہوں میں

تو ہم سمجھتے ہیں کہ تشبیہ قوی اور کامل ہو گئی۔
اسیطرح خواہ چاند کی بجائے موٹر کا "ہیڈ لیمپ" ہی کیوں نہ ہو:۔

نظم ؎

جیسے موٹر کی گریزاں روشنی سے راہ میں
ایک لمحے کے لئے چھا جاتا ہے نور
یوں ہی آتی ہے مرے دل تک خوشی
کانپتی، سہمتی، ڈرتی ہوئی،

جوش

اعزاز الحق وراء
بی اے ۔ سال اوّل

احساسِ کمتری

احساس کمتری کا تصور یوں تو ایک عرصہ سے مختلف ماہرین نفسیات پیش کرتے چلے آئے ہیں، لیکن فی زمانہ اس کے مفہوم میں جو وسعت اور گہرائی پیدا ہوئی ہے وہ جرمنی کے عظیم ماہر نفسیات ALFERED ADLER کی مرہون منت ہے۔ ایڈلر اپنے عظیم ہم عصر CARL JUNG کی طرح جرمن اہل نفس SIGMUND FREUD سے متاثر ہوا۔ فرائڈ کے نظریات نے انیسویں صدی کے آخر اور موجودہ زمانے کے آغاز میں نفسیاتی، سیاسی، ادبی اور علمی حلقوں میں ایک تہلکہ برپا کر دیا تھا۔ آغاز کار میں ایڈلر اور ژنگ دونوں فرائڈ کی تحریک میں ہمہ تن اخلاص سے شامل ہو گئے۔ لیکن فرائڈ کے انتہا پسندانہ اور متشددانہ نظریات کی تاب نہ لا کر فرائڈ کی "بین الاقوامی تحریک تجزیہ نفس" سے علیحدہ ہو گئے۔

ایڈلر کے نزدیک فرائڈ کا یہ اصول غلط ہے کہ انسانی زندگی کا کردار شخصیت اور اس کی خوبیوں اور خرابیوں کا محور صرف اور صرف جذبہ جنس ہے۔ ممکن ہے فرائڈ کے گرد و پیش خصوصاً یہودی معاشرہ میں ایک مخصوص وقت اور طبقہ کے محدود دائرہ میں یہ امر واقع ہو۔ بالخصوص جب کہ فرائڈ کے مشاہدہ میں جو لوگ آئے وہ نارمل قسم کے لوگ نہیں تھے بلکہ ذہنی مریض تھے۔ اس لئے فرائڈ کے خلوص نیت پر شبہ کے بغیر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کے نظریات کا اطلاق عام نارمل اور صحت مند انسانوں پر ہرگز نہیں ہوتا۔

یہی بات اس زمانے کے اکثر ماہرین نفسیات نے کہی ہے اور اسی بنا پر انہوں نے فرائڈ کے نظریات کی ہمہ گیری کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ ایڈلر نے اس انکار کے عقب دل جو نظریہ پیش کیا وہ مختصراً درج ذیل ہے۔

اس کے نزدیک ہماری شخصیت کی انا اور اس کا ضمیر فرائڈ کے "جذبہ جنس" سے تیار نہیں ہوتا بلکہ "احساس کمتری" سے تیار ہوتا ہے۔ .... پیدائش کے بعد بچے کو یہ شدت سے احساس رہتا ہے کہ وہ ایک بے بس، بے علم اور کمزور ہستی ہے جو کھانے پینے اور دوسری ضروریات زندگی میں سو فیصدی دوسروں کا محتاج ہے، نہ اسے زبان آتی ہے، نہ اسے دنیا کی رسم و رواج کا علم ہے۔ گرد و پیش کے رہنے والے زبان بھی جانتے ہیں اور آسانی سے اپنے مطلب کا اظہار بھی کر لیتے ہیں۔ لیکن یہ بیچارہ تو مونہہ پر سے مکھی بھی نہیں اڑا سکتا، آگ میں ہاتھ ڈالتا ہے تو ہاتھ جل جاتا ہے، پیاس لگتی ہے لیکن خود اٹھ کے پانی بھی نہیں پی سکتا۔ بھوک مٹانے کے لئے خود کوئی قدم نہیں اٹھا سکتا۔ غرضیکہ بچہ ایک ایسے اجنبی کی حیثیت

سے وارد ہوتا ہے جو کلی طور پر دوسروں کا محتاج ہو۔ ان حالات میں بچے میں احساس کمتری پیدا ہو جانا ضروری ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ کچھ بھی نہیں ہے ـــ چنانچہ اس کیفیت کو دور کرنے کے لئے اس میں مبالغت کی روح پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنی اس کمزوری کو برتری میں تبدیل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احساس کمتری اور احساس برتری میں کوئی چنداں فرق نہیں۔ احساس کمتری ایک لاشعوری احساس ہے عجب کہ احساس برتری کافی حد تک شعوری سطح پر قائم ہوتا ہے تو احساس برتری میں مبتلا افراد واقوام دراصل احساس کمتری ہی کا شکار ہوتے ہیں۔ نپولین اور ہٹلر کے متعلق عام خیال کیا جاتا ہے کہ وہ احساس کمتری میں ہی مبتلا تھے خود محمد علی کلے کا اپنا بیان ہے کہ ان کے اتنے عروج کی وجہ صرف احساس کمتری ہی ہے۔

احساس کمتری میں مبتلا لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ مرض ایسا ہے جس کا کوئی علاج نہیں لیکن یہ کہنا کہ یہ لاعلاج ہے غلط ہے۔ دراصل ایسے لوگ اپنی پچھلی زندگی کی ناکامیوں سے اتنے پریشان اور ہراساں ہوتے ہیں کہ پھر وہ کسی کام میں بھی بالکل جدوجہد نہیں کرتے : انسان خطا کا پتلا ہے وہ کئی غلط قدم اٹھاتا ہے اور کئی غلطیاں کرتا ہے یہ کبھی نہیں ہوا کہ وہ تمام صفات کا مالک ہو۔ اور اس سے کوئی غلطی یا گناہ نہ ہوا ہو۔ تمام صفات کی مالک صرف ایک ہی ہستی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ۔ جب تک یہ احساس دل میں پیدا نہ ہوگا احساس کمتری میں کمی نہ آئے گی۔ یہ ہمارا اپنا ہی پیدا کردہ مرض ہے اور اسے دور بھی ہم خود ہی کر سکتے ہیں بس تھوڑی سی ہمت اور توجہ درکار ہے اپنے دل میں چھپے ہوئے اس احساس کا ڈٹ کر اور دل جمعی سے مقابلہ کریں تو ایک دن ہم اس پر فتح پالیں گے!

احساس کمتری کی خطرناک بیماری کو سر کرنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ہم پر لوگ جو بھی نکتہ چینی کریں اسے ہم برداشت کریں ـــ نکتہ چینی کی دو قسمیں ہیں پہلی کا نام "تعمیری" اور دوسری کا نام "تخریبی"۔ تعمیری نکتہ چینی وہ ہے کہ کوئی ہمدرد رازدارانہ طور پہ ہماری برائیوں اور کمزوریوں کو ہم پر واضح کر دے اور تخریبی نکتہ چینی سے یہ مراد ہے کہ کوئی کھلم کھلا اور دوسروں کے سامنے ہماری برائیوں کو ظاہر کر دے۔ ان دونوں حالتوں میں ہمیں نہایت ہی صبر و تحمل سے کام لینا چاہیئے۔ اور اپنی ان برائیوں کو دور کرنا چاہیئے ـــ

احساس کمتری کوئی ایسی بلا نہیں جو سر سے ٹالی نہیں جا سکتی ـــ صرف اور صرف مسلسل ہمت اور جدوجہد کی ضرورت ہے، اس مقابلے کے لئے مکمل ارادہ چاہیئے۔ کون نہیں جانتا کہ مسٹر چرچل بچپن میں ہکلاتے تھے، بات کرنے میں انہیں سخت دشواری کا سامنا کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو گئے لیکن وہ اس احساس سے دبے نہیں بلکہ مسلسل ہمت اور جدوجہد سے انہوں نے اس مرض پر قابو پالیا اور ایک دن دنیا کے عظیم مقرر اور خطیب تسلیم کر لئے گئے۔

گل ہائے رنگا رنگ

- ملک صلاح الدین
- عبد المجید عابد

افسانہ

صلاح الدین ملک
سال چہارم

دو مسافر

کیا ہوا ہے تمہیں! تمہارے چہرے سے رونق غائب ہو گئی ہے۔ آنکھیں اندر کی طرف دھنسی بے رونق سی ہو گئی ہیں۔ تمام چہرے پر اداسیاں چھائی ہوئی ہیں۔ غم اور کرب کے آثار تمہارے لہجے میں نمایاں ہیں کچھ مجھے بھی بتاؤ تو سہی۔ میں نے آخر تنگ آ کر ایک روز اپنے دوست اظہر کو کرید ہی ڈالا۔ میرے دوست تم آ گئے بہت دیر سے تمہارا انتظار تھا اظہر نے مجھ کو خراش زدہ لہجے میں کہا۔ بیٹھ جاؤ بھیا! اس کے لہجے میں التجا بھی تھی اور تحکم بھی تھا۔ حالت یہ تھی جیسے کسی نے مجھ پر جادو کر دیا ہو عقل و فکر کے تمام دریچے بند ہو چکے تھے، میں بولنا چاہتا تھا۔ لیکن زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ دل کانپ رہا تھا اور آنکھیں حیرت زدہ، ہر لمحہ میری حیرت کو بڑھا رہا تھا۔

مہربان دوست تم خوفزدہ معلوم ہوتے ہو۔ لیکن خوف کیا۔ میں ایک انسان ہوں جس کی نس نس میں زمانے کی ٹھوکروں سے لگے ہوئے زخم تڑپ رہے ہیں۔ میں تم سے ہمدردی کا طلب گار ہوں یہ دراصل میری زندگی ——— قلیل زندگی کی ایک دکھ بھری داستان ہے۔ سالوں سے یہ راز میرے سینے میں ہے میں اس راز کو تمہارے حوالے کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارے ساتھ یہ میری آخری ملاقات ہے، اظہر کی آواز میں درد رچا ہوا تھا۔ اسکی آنکھوں میں ایک ایسی التجا تھی جس سے چشم پوشی نہیں کی جا سکتی۔ مجھے اس نے مہربان دوست کہہ کر پکارا تھا۔ اس لئے مجھے بھی بات کرنے کا حوصلہ ہوا۔

کیا آپ مجھ پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ میں آپ کے راز کی حفاظت کر سکوں گا۔ میں نے پوچھا! "یہ ایک ایسا راز ہے جسے حفاظت کی ضرورت نہیں۔ یہ میری زندگی کی انتہائی کربناک داستان ہے تم سن لوگے تو میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائیگا

لیکن تم تو خود برے ہو، تم ذلیل اور بے غیرت بھی ہو۔ میں نے اس سے سوال کیا۔ تمہارا غصہ بجا ہے مہربان دوست، اظہر کے لہجے میں کرب تھا، تمہارے شکوک بھی صحیح ہیں۔ پر ایک بات کہتا ہوں دوست" اس سینے کو چاک کر کے دیکھو تو تمہارے شکوک اور سارا غصہ آپ ہی آپ ٹھنڈا ہو جائے گا۔ میں ذلیل اور بے غیرت ضرور ہوں۔ لیکن دوستی کی خاطر ہمالہ کی چوٹیوں سے سر ٹکرا سکتا ہوں میری دوستی اگر فرض بن کر ہمالہ کی بلند ترین چوٹی پر بھی پکارے تو میں وہاں ضرور جاؤں گا۔

اظہر نے اپنی داستان کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔ مہربان دوست! میری اس سے پہلی ملاقات ایک ایسی فضا میں ہوئی۔ جو خاصی تاریک، گرم اور خاموش تھی۔ وہ ایک عجیب سے روپ میں میرے سامنے آیا۔ اس کے لہجے

یہ التجا تھی، آنکھوں میں تڑپ تھی۔ ایک ایسی تڑپ جو کثرت گناہ کو ظاہر کرتی ہو۔ وہ کون تھا میں نے پوچھا۔

وہ میری ہی طرح ایک بھولا بھٹکا راہی تھا جسے ضلالت کی ٹھوکر دل نے نامرادی کے عمیق گڑھوں میں دھکیل دیا تھا۔ اسے انسانیت درکار تھی۔ دوستی درکار تھی ——— "وہ مجھے ملا اور اپنی داستان غم سنانے لگا" اظہر نے داستان جاری رکھتے ہوئے کہا وہ ایک گنہگار انسان تھا، زندگی بھر وہ برائیوں کا شکار رہا ——— اور اب وہ شاید اپنے آپ کو اچھائی میں ڈھالنا چاہتا تھا ——— میں نے اپنی دوستی کا ہاتھ اس کی جانب بڑھایا ——— میں نے سوچا زندگی کو ایسا چراغ بناؤں جو دوسروں کے ظلمت کدہ کو روشن کر دے ——— میں نے اس کے سیاہ کار دل کو منور کرنے کی کوشش کی ——— "کیا نام تھا اس کا" میں نے اظہر سے سوال کیا۔ وہ کچھ دیر سوچتا رہا ——— جیسے اس کا نام سوچنے کی کوشش کر رہا ہو۔ وہ کہنے لگا اس کا نام .... بے نام .... شاید وہ بے نام تھا ——— لیکن میں اسے "حبیبی" کہا کرتا تھا ہماری دوستی پروان چڑھتی رہی، زمانے کے حوادث کو پیچھے چھوڑتے زندگی کی طویل راہوں پر گامزن میں انسانیت کی تلاش میں اس کا رفیق خاص بننے کی کوشش کرتا رہا۔ لیکن میں انجان تھا اس وقت کچھ سوچ نہیں سکتا تھا، اس وقت صرف اس کو سیدھی راہ پر لانے کا خیال دماغ میں تھا، لیکن دوست! وہ بہت ذلیل تھا۔ مجھے کھلونا سمجھ کر مجھ سے کھیلتا رہا حقیقتاً اس کی اصلاح ایک ایسا تاج محل تھا جسے میں تعمیر نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن میں کوشش کرتا رہا اس کے سینے میں آتش فشاں تھا جس کو بجھانے کی میں کوشش کرتا رہا مگر جس راہ سے اور جس برائی سے اسے میں راہ فرار سکھانا چاہتا تھا وہ اسی راہ پر چلنے کا خواہش مند تھا، میں نے اس کو سہارا دینے کی بہت کوشش کی ——— مہربان دوست! لیکن وہ ڈوب گیا اسی ماحول میں جہاں سے نکل کر آیا تھا یہ میری غلطی تھی جس نے سوچا کہ پتھر میں بھی جونک لگ سکتی ہے چٹان بھی آنسو بہا سکتی ہے ——— میں نے اس کی اصلاح کے لئے ہر ممکن کوشش کی ——— لیکن وہ میری باتوں کو جو "خون جگر" سے بھی لکھ کر فراموش کر دیتا تھا۔ کئی لوگ مجھے بے غیرت اور ذلیل بھی کہنے لگے کیونکہ میں اس کا دوست تھا۔ وہ برا تو تھا ہی مجھے بھی برا سمجھا جانے لگا۔ گھر میں علیحدہ میری بے عزتی کی جانے لگی۔ گھر والے یہی کہتے تھے کہ یا اس گھر سے نکل جاؤ یا اس کی دوستی کو خیرباد کہہ دو، لیکن میں نے جھوٹی باتوں سے ان کو تسلی وغیرہ دے دی۔

میں اب بھی اسے ضلالت کی راہوں سے ہٹانا چاہتا تھا ——— انسانیت کا تقاضا یہی تھا۔ ڈوبتے ہوئے انسان کو بچاؤ ——— مگر مجھے کیا خبر تھی کہ نفرتی سکول کی چھلکتی لہریں اسے گہرائی میں لے جائیں گی ——— وہ میری نصائح سے بے پرواہ تھا ——— مجھے چھوڑ گیا ——— میری نصائح سے دور ہونے کی سعی کرنے لگا ——— جیسے وہ مجھے عرب کے بدوؤں کی چراگاہ سمجھتا تھا جہاں سے گھاس ختم ہو جاتی ہے تو وہ یہ نہیں سوچتے کہ وہ گھاس یہاں دوبارہ اگ سکتی ہے ——— کسی اور چراگاہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں ———

ایک دن میں اس سے ملنے کے لئے اس کے گھر بھی گیا ——— مجھ پہ اس کو برائی سے بچانے کا جنون سوار ہو گیا تھا ——— مگر اس نے مجھے کہا کہ بھول جاؤ کہ میں کبھی تم سے آشنا تھا ——— بھول جاؤ میں تم سے کچھ کہتا یا سنتا تھا ——— میں اس کے ہاں سچائی کے ارمان لے کر گیا تھا ——— اور حسرت و یاس کا پیکر بنے واپس ہاتھ [illegible]

مرسلہ چودھری عبدالمجید خاور
بی اے سال اول

شگوفے!

ایک دفعہ فراق گورکھپوری ڈرائی جن کی بوتل لینے بازار گئے۔ رستے میں بارش ہونے لگی جیب میں کاغذ کے نوٹ تھے بھیگ گئے۔ دکاندار سے ڈرائی جن کی بوتل لے کر روپے دیئے تو دکاندار نے کہا یہ تو گیلے روپے ہیں۔ فراق نے برجستہ جواب دیا:-

I am giving you wet money for dryjin

ایک مشاعرے میں سردار جعفری اپنا کلام سنانے سے پہلے کہنے لگے "حضرات! میں عاشقانہ رنگ میں کچھ اشعار عرض کرنا چاہتا ہوں اگرچہ یہ میرا اصلی رنگ نہیں ہے لیکن ...... جگن ناتھ آزاد نے سردار صاحب کی بات کاٹتے ہوئے ایک دم جواب دیا:-

"تو کیا آپ کا اصلی رنگ معشوقانہ ہے"

ریڈیو سے ایک دفعہ غالب کا شعر کچھ اس طرح سے نشر ہو رہا تھا۔

قید و حیات و بند و غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

پطرس بخاری سن رہے تھے انہوں نے فوراً ٹیلیفون پر ڈائریکٹر سے رابطہ قائم کیا اور کہا دو نہیں بلکہ چاروں ایک ہیں۔

خاوند: بیگم راشن تو ختم ہو گیا ہے کیوں نہ رشتہ داروں کے ہاں کچھ دن کاٹ آئیں۔

بیگم - خیال تو اچھا ہے - ہاں تو بتائیں کہاں جائیں۔

خاوند: بیگم آپ اپنے میکے چلی جائیں۔

بیگم - اور بچے! خاوند - یہ ننھیال چلے جائیں گے۔

بیگم (ناک چڑھا کر) اور آپ!

خاوند - بیگم میری فکر نہ کریں میں اپنے سسرال چلا جاؤں گا۔

ایک صاحب کسی منچلے سے اس کا گھر پوچھ رہے تھے۔

صاحب:- آپ کا گھر کہاں ہے؟

لڑکا :- جی مسجد کے سامنے

صاحب :- مسجد کہاں ہے؟

لڑکا :- جی گھر کے سامنے

صاحب:- (تنگ آکر) دونوں کہاں ہیں؟

لڑکا :- جی آمنے سامنے۔

جگر مرادآبادی نے نہایت ہمدردانہ انداز سے شراب کی خرابی بیان کرتے ہوئے اسرارالحق مجاز سے کہا "مجاز! شراب واقعی خانہ خراب ہے۔ خم کے خم لنڈھانے کے بعد انجام کار توبہ ہی کرنی پڑتی ہے۔ میں تو دعا کرتا ہوں کہ خدا تمہیں توفیق دے کہ تم بھی میری طرح توبہ کرسکو"

مجاز یہ سن کر نہایت معصومیت سے کہنے لگے:- "جگر صاحب! آپ نے ایک بار توبہ کی لیکن میں سینکڑوں بار توبہ کرچکا ہوں"

(ماخوذ)

دومسافر (بقیہ صفحہ ۵۴):- لوٹ آیا۔ میرا دل اب بھر چکا تھا۔ میں نے سوچا اس کی اصلاح ممکن نہیں۔ یہ شاخ اب لچکدار نہیں رہی۔ کئی دنوں کے بعد وہ میرے گھر خود ہی آگیا۔ وہ پشیمان سا نظر آرہا تھا۔ میں نے سوچا صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آجائے تو اسے بھولا ہوا نہیں کہنا چاہیئے۔ یہ سوچ کر آخر میں انسان تھا۔ سینے میں انسانیت پرست دل رکھتا تھا۔ بھٹک گیا۔ اور دوبارہ اس کی ڈوبتی ناؤ کو سہارا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ میں خود اس کے لئے ایک ڈھال بن گیا۔ لیکن چار روز کے بعد وہ پھر بہک گیا۔ اور آخر میں اس کی راہوں سے ہٹ گیا۔ میری دوا اس کے مرض پر کارگر نہ ہوئی۔ وہ میرے خلاف ہوگیا۔ میرے ضمیر کی جان کا دشمن بن گیا۔ میں اب سوچنے لگا ہوں کہ وہ اور میں دومسافر ایک گھڑی کے لئے راہ میں ملے تھے۔ وہ دوستی کا اعزاز نہیں دے سکتا تھا۔ کیا تم اس صداقت پر یقین کروگے کہ دوستی کے دوش پر بہتے ہوئے میں نے ساری زندگی داؤ پر لگادی اب پتہ چل گیا ہے دنیا پرست دوست ایک ایسا کھلونا سمجھا جاتا ہے جس سے کھیلنا معاشرے کا ہر فرد اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔۔۔ پتھر پر پانی پڑتا ہے تو وہ بھی گھس کر ختم ہوجاتا ہے۔ لیکن اس کے پتھر جیسے سیاہ کار دل پر میری دوستی کی لگاتار بارش ہوتی رہی لیکن وہ موم نہ ہوسکا۔ وہ یار جسے میں نے کبھی پھولوں کی دنیا میں لے جانا چاہا۔ وہ کانٹوں کے دیار میں سرگرداں ہے۔ یہ راز تھا جس کو تمہیں بتانے کے لئے میں زندہ ہوں۔ یہ میری دکھ بھری داستان ہے۔ مہربان دوست میرا بوجھ ہلکا ہوگیا ہے اظہر نے کہا۔

میں سر جھکائے اظہر کی کہانی سُن رہا تھا اس نے کہانی ختم کی اور میرے مونہہ سے بیساختہ یہ الفاظ نکلے (اتنی ناکامیوں کے بعد بھی نہیں امیدوں کا زندگی حقیقت ہے) یہ کہہ کر میں نے سر اٹھایا۔ لیکن اظہر کسی دوسری دنیا میں پہنچ چکا تھا۔۔۔ شاید وہ بہشت میں ہو۔ کیونکہ اس نے کسی کی اصلاح کے لئے اپنے ایام زندگی بسر کئے تھے۔

شبستان غزل

- چوہدری محمد علی مضطر
- ڈاکٹر نصیر احمد خان
- چوہدری محمد شریف خالد
- ارشد ترمذی
- مبارک احمد عابد
- ھدایت اللہ ہادی
- نسیم قدسی
- لطیف گجراتی
- کریم قمر
- قمر کاشمیری
- پرویز طارق

پروفیسر چوہدری محمد علی مضطر ایم اے

قدم بڑھائیں، توقف نہ اب زیادہ کریں

نہ ذکرِ دوریٔ منزل نہ فکرِ جادہ کریں
یہ راہِ عشق ہے طے اس کو پا پیادہ کریں

انہیں پسند نہیں ڈھنگ اہلِ دنیا کے
یہ وار سخت کریں اور بات سادہ کریں

بفیضِ ساقیٔ کوثر مئے طہور پیئیں!
نہ شیخِ شہر سے الجھیں نہ ترکِ بادہ کریں

سلام بھیجا ہے کشمیر کے اسیروں نے
قدم بڑھائیں، توقف نہ اب زیادہ کریں

سفر طویل ہے نہ اہلِ سفر گھبرائیں
نظر بلند، قدم تیز، دل کشادہ کریں

یہ مسجدیں، یہ مقابر، یہ بے کفن مقتول
حضورِ داورِ محشر گلہ مبادا کریں

ہیں جس سے آج بھی اغیار لرزہ بر اندام
اسی روایتِ کہنہ کا پھر اعادہ کریں

نہ ہاتھ اٹھانے کی جرأت ہو پھر کبھی اس کو
کچھ اس ارادے سے دشمن کو بے ارادہ کریں

وہ درس جس نے دیا تھا شہید زندہ ہیں
اسی مدرّسِ اعلیٰ سے استفادہ کریں

بیادِ اہلِ وفائے سیالکوٹ ولاہور
قدم قدم پہ لڑیں رقصِ جادہ جادہ کریں

ہلاکتانِ محبت، یہ بندگانِ حقیر
جہان پیس کر رکھ دیں اگر ارادہ کریں

حضورِ خواجۂ بدر و حنین بہرِ سلام
لہو میں بھیگا ہوا زیبِ تن لبادہ کریں

حدیث ان کے مقامِ بلند پہ ہے گواہ
حدیثِ حسینؓ کی روایت ابو قتادہؓ کریں

گزر رہے ہیں شہیدوں کے قافلے مضطر
کریں تو ان سے ملاقات کا ارادہ کریں

ڈاکٹر نصیر احمد خان

غزل

یہ موجِ بے خودی نجانے چڑھ کے کب اتر گئی
تو بے پتہ سی بے مزہ سی زندگی گذر گئی

خرامِ نازِ باد ہے کہ صرصرِ فنا کی رَو
چمن میں یوں گلاب کی جو پنکھڑی بکھر گئی

شعاعِ نور یک بیک فضا کو جیسے چیر جائے
دل و نظر میں اس طرح نگاہِ یار اُتر گئی،

تو لیلیٰ حیات ہے غبارِ کارواں ہیں ہم
اُدھر اٹھی یہ خاکِ دل جدھر تری نظر گئی،

رہینِ لطفِ یار ہے سیاہیٔ غبارِ دل
یہ زلفِ عنبریں کبھی بگڑ کبھی سنور گئی

نصیر دھوپ چھاؤں میں بھی راہ پر نہ آسکے
کہ جاں کے ساتھ جائے گی یہ کجروی اگر گئی

غزل

صبح آتے ہیں شام آتے ہیں
ہم تو ہمدم مدام آتے ہیں

ہم سزاوارِ جرم ہیں لیکن
دم بھی بالائے بام آتے ہیں

چھوڑ دو ان خراب حالوں کو
یہ بھی آخر تو کام آتے ہیں

میکدہ مجھ کو یاد کرتا ہے
جب بھی گردش میں جام آتے ہیں

بند ہے راہ و رسم ان سے مگر
گاہے گاہے سلام آتے ہیں

تڑپ اٹھتی ہے اب بھی قیس کی روح
دشت سے جب پیام آتے ہیں

اب بھی خالدؔ وفا کی محفل ہیں ہم سے یاروں کے نام آتے ہیں

ارشد ترمذی

غزل

جھلکیاں دیکھ کے کعبے میں صنم خانوں کی
رند بھی خیر منانے لگے پیمانوں کی

کشتیاں زد میں ہوں جب سوختہ سامانوں کی
اور بھی بڑھ جاتی ہیں کچھ شوخیاں طوفانوں کی

ہر قدم پہ ہمیں تنہائی کا احساس رہا
یاد شہر دل میں بھی آتی رہی ویرانوں کی

حضرت شیخ کہاں بھول کے آ بیٹھے ہیں
دیکھ تو لیتے کہ یہ بزم ہے انسانوں کی

ہر کڑے وقت میں دیوانگی نے ساتھ دیا
کام آئی نہ کبھی دوستی فرزانوں کی

آتش عشق میں جلنا نہیں ممکن ارشد
حسن عادات تو اپنائی ہیں پروانوں کی

نعیم قدسی

خدا اے خدا!

خدا اے خدا ——
مجھے یہ خبر ہے کہ میں کوئی گوتم نہیں ہوں
وہ گوتم جو اپنے جواں جسم کی "ٹھنڈک" کو خون کی آگ میں ڈال کر
سدا تیری راہوں پہ بڑھتا گیا
سدا تیری راہوں پہ بڑھتا گیا، اور اک دن امر ہو گیا
نہ میں کوئی عیسیٰ
جو سولی کے لب چوم کر ——.
تری آنکھ کے رس کے امرت کا وارث بنا
نہ میں وہ ہوں، جس نے کہ غارِ حرا کو
اندھیرے میں اک روشنی کی کرن کے لئے
خود اپنے لہو کے چراغاں سے روشن کیا
میں تیرا مقرّب نہیں ہوں
میں تیرا ولی بھی نہیں
یہ سب کچھ نہیں ہوں میں کچھ بھی نہیں ہوں
مگر پھر بھی جانے میں کیوں چاہتا ہوں
کہ اک دن میں تجھ سے ملوں۔
اور —— مل کر کہوں
کہ اے خالقِ دو جہاں
گھڑی دو گھڑی کے لئے میری دنیا میں آ
مری روح بن، اور اس کے لہو کا مزا چکھ کے دیکھ
مزا چکھ کے دیکھ اور مجھ کو بتا
خدا او خدا، او میرے خدا

لطیف گجراتی

غزل

ارمانوں کی جوت جگائے ایک زمانہ بیت گیا
من کو پیار کا روگ لگائے ایک زمانہ بیت گیا

سُندر سپنے دیکھے تھے جو ساجن میں نے برسوں تک
ان سپنوں کو یاد بنائے ایک زمانہ بیت گیا

دیوی تیرے درشن کارن اک متوالے جوگی کو!
ماتھے اوپر تلک لگائے ایک زمانہ بیت گیا

اجڑی پیار کی راہیں جو کچھ یادیں پیچھے چھوڑ گئیں
ان یادوں کا سوگ منائے ایک زمانہ بیت گیا

مدت گزری جن راہوں سے اک دیوانہ گزرا تھا
ان راہوں پہ گدھ منڈلائے ایک زمانہ بیت گیا

ساجن سے جو کچھ کیئے تھے قول و قرار لطیفؔ
اُن کو ایک زمانہ ہوئے ایک زمانہ بیت گیا

کریمہ قمرا
ایم اے سٹوڈنٹ

یاد

اندھیاروں کی کھوہ میں گم سم
تنہائی کا جنگل
بھاگتے سائے ـــــ تیز ہوا
اور جنگل کی معصوم فضا میں گونج اٹھی ہیں
انجانی چیخوں کی صدائیں
ان چیختی روحوں کی پائل پر
جھوم اٹھے ہیں
وقت کی گہری نیند میں سوئے
بھولے بسرے ـــــ زخم کے گھاؤ
اندھیاروں کے اس دیس میں کچھ انجان مسافر آن گھرے ہیں۔

٭

O

قمر کاشمیری

غزل

اے شہرِ وفا کے رہنے والو دل کو ہمارے توڑ چلے
تم دل کو ہمارے توڑ چلے ہم شہر تمہارا چھوڑ چلے

تو دل کی کلی مرجھانے لگی اور شمع کو بھی نیند آنے لگی
جو پیار کے بندھن باندھے تھے وہ بندھن سارے توڑ چلے

زلفوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں جس دل نے دھڑکنا سیکھا تھا
وہ دل اب سونا سونا ہے اس دل کو یہیں پہ چھوڑ چلے

یہ جیون من کی مایا ہے یہ دنیا خون خرابہ ہے!
اس دنیا سے ہم باز آئے اس دنیا سے مونہہ موڑ چلے

اس جھوٹ نگر میں یوں تو قمر اپنے بھی ہیں بیگانے بھی
ہم اپنوں اور بیگانوں سے سب پیار کے رشتے توڑ چلے

○ پرویز طارق

میں اسے کہوں تیری بے رخی یا کہوں اسے تیری کجروی
کہ نہ بھولے سے تو سمجھ سکا مرے دل کی حالتِ زار کو

میرے دل میں تیرا خیال ہے جو مٹانے سے نہ کبھی مٹا
یہی زندگی کی بہار ہے کروں کیا میں فصلِ بہار کو

میری آنکھوں نے بڑے چاؤ سے اسے خود ہی دل میں بٹھا لیا
میرے آنسوؤں کے بہاؤ کو مرے دل کے درد و غبار کو

نہ بجھا سکے طارقِ بے خبر اپنے دل سے آتشِ ہجر کو
کہ اسی سے ملتی ہے روشنی تیرے دل کے اجڑے دیار کو

We place on record our deep sense of grief and sorrow on the sad demise of Khan Sahib Qazi Mohammad Rashid Ex-wakeelul Mal, Tehrik-e-Jadeed, father of Prof. Qazi Mubarik Ahmad Ansari M.Sc. and Prof. Rafiq Ahmad Saqib M.Sc. The deceased served the Community in various capacities and was a model of devotion, honesty and integrity.

Three of his children are studying in our College. We extend our sincerest sympathies to the members of the bereaved family. May God shower His choiecest of blessings on his soul.

AL-MANAR

JAN., FEB., MARCH,

1966

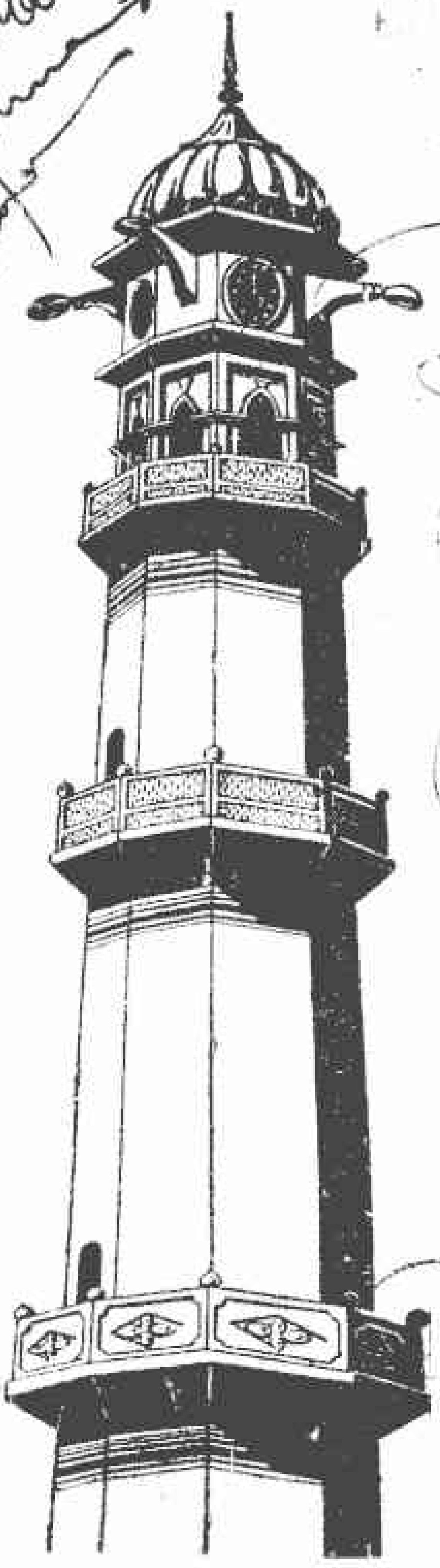

Talim-ul-Islam College

MAGAZINE

AL-MANAR

TALIM-UL-ISLAM COLLEGE
RABWAH.

Jan., Feb., March, 1966

Staff-in-Charge :
CHAUDRI HAMID AHMAD M.A.

Editor-in-Chief :
NAEEM OSMAAN

Editors :
MUHAMMAD ZAFARULLAH
MUHAMMAD SHABBIR

AL-MANAR

TALIM-UL-ISLAM COLLEGE MAGAZINE

Vol. XV	Jan., Feb., March, 1966	No. 1

Editorial

End of an Era.

The death of *Sayyedina Hazrat Khalifatul Masih II* has marked the end of a great and eventful era. The enormous achievements of the great man will be better assessed by the historian. For the *Jamaat* it was a heavy blow which could shake its very foundations but Allah once again came to our help and made it manifest that he has created this Community for a special purpose and He alone protects it against all odds. Let us bow in gratitude before the Almighty, since He gave us a new hand around which once again the whole *Jamaat* wholeheartedly and readily centered.

Much has been said and written about the life and attainments of the departed dear, and much more will be said and written, but the fact remains that God alone can make an exact estimate of his achievements. Every one of us feels and yet without adequate words to express it, what he was and what he wanted us to be. Now that he has passed away, and left us forever there can be no better tribute to him than acting upon what he repeatedly said in his seimons and speeches. Let us pledge to prepare ourselves to shoulder the responsibilities that lie ahead and accomplish the mission undertaken by him.

It is a matter of honour and pride for us that God has chosen our beloved principal Hazrat Mirza Nasir Ahmad for the holy office of the Khalifatul Masih III. Although we feel sad to have been deprived of his direct and inspiring guidance but we have a consolation that we shall continue to receive the prayers of his holiness. This change has brought with it tremendous responsibilities for us. We shall have to be much more cautious and careful in our activities so that we may justify peoples great expectations of this College.

We are fortunate in having the services of a seasoned educationist, Professor Qazi Muhammad Aslam M.A. (Cantab) who has already made us feel hopeful of a bright future of this institution. His arrival here is a happy augury for the expansion and development that lies ahead for this college.

The Tashkent conference has ushered a new era of hope for the peaceful co-existence in the Indo-Pak. sub-continent after a long state of emergency in both the countries. For the first time in the past 18 years, Pakistan and India have resolved to settle their disputes in a peaceful and honourable manner and in accordance with the U.N. Charter, which India and

Pakistan both have pledged to honour.

For once the war hysteria that has kept pace with the people of the Sub-continent since partition and that had been at its prime during the seventeen days of war with India was finally cooled down by the declaration. The mutual co-operation among the leaders of India and Pakistan has paved the way for a better understanding between the two neighbours.

Many people may not be content with the signing of the Tashkent Declaration but they should be aware of the fact that in the present age we do not expect the performance of miracles. The Kashmir dispute has to be solved for that has been our paramount stand for the last eighteen years. For the betterment of mankind we have to exhaust all peaceful means for the settlement of this dispute. Pakistan and India both cannot afford war under the present circumstances. They have to develop their respective resources and the Tashkent Declaration has given us a chance to undertake the development schemes.

The Tashkent Declaration on the other hand has also won the hearts and sympathies of the Soviets for the Government and the people of Pakistan. Let us pay gratitude to the Soviet for bringing about this summit inspite of the pessimistic views and predictions of the world that this summit would not promise much. But the wisdom of the leaders of India and Pakistan and the kind offices of the Soviet leadership has removed the seed of discontent. Precisely the Tashkent agreement has been a victory for peace and why not call it, *Yet another victory for Pakistan.*

But this is not all in itself. We still have to fight numerous social evils. The recent war with India has regenerated the Islamic spirit of self-sacrifice, courage and patriotism among our brethern. And we should retain it in homage to the heros who died in protecting their country from external aggression. And a word of caution to the readers, *be alert* for you may be called upon any moment and be *prepared* to stake your lives and property for the integerity and sovereignity of your motherland.

Pakistan Paindabad.

Principal's Message

I wish Al-Manar success in years to come. It has done good work in the past and we expect it to do better in the future.

Learning to write and write well is very important. Writing, even more than speaking, promotes clear thinking.

Q. M. Aslam,

Letters To The Editor

The Al-Manar is introducing a 'Letters to the Editor' forum from the current session and welcomes contributions from the students of the College. Letters most likely to be published will be those relating to the College Magazine. A fair criticism of the College Magazine will also be heartily accepted. Letters must be short and written in a clear legible hand-writing.

Sir,

Why is it that Al-Manar is never published in time?

(*Osman Akbar.*)

Due to the non co-operation of the students.

(*Editor*)

Sir,

It has been a tradition of Al-Manar that one portion of it is devoted to the English section, but the last issue of July-August-September 1965 did not carry the English section. May I ask what had happened to the Editorial Board?

(*Masood Ahmad.*)

With due apologise we wish to state that nothing had happened to the Editorial Board. As a matter of fact the Editorial Board had not been appointed due to certain circumstances.

(*Editor*)

Sir,

It is very displeasing to note that a majority of the articles published in your esteemed magazine are either contributed by the members of the Editorial Board or the non-scho-

lars of the college. Al-Manar being a magazine of the College students, a fair portion of it should be devoted to the contributions from the students.

(*Mahmud Akbar*)

With regrets we have to state that in spite of repeated requests we have been having a very poor response from the College students. The Editorial Board gratefully welcomes articles by College students, and we sincerely hope that you would also contribute one for our next issue.

(*Editor*)

Letter of Condolence

The text of the letter of condolence sent to his holiness Hazrat Khalifatul Masih III, by the Foreign Students Union on the sad demise of Hazrat Khalifatul Masih II (May God be pleased with him).

We do, hereby, convey to Hazrat Mirza Nasir Ahmad, Khalifatul Masih III, the members of the holy family and the Ahmadiyya community, our feelings of heartfelt sorrow and grief at the sad demise of our revered and beloved Imam, the late Khalifatul Masih II رضی اللہ تعالیٰ عنہ, which occurred on Monday morning, the 8th instant. No doubt, it is of a clossal and irreparable loss to the Jamaat. Our hearts are bruised but one cry gushes out of our soul :

انالله و ان اليه راجعون

Indeed, invaluable and cherishable are the bounties and treasures bestowed on us by His late Holiness through the grace of God. Under his benign Khilafat, the Tarik-i-Jadid scheme was launched, whereby the number of missions abroad has soared from 96 to 152. These missions, adorned with beautiful mosques and thrived with colleges and schools are manned by a devoted band of missionaries, most of whom are thousands of miles away from their hearths. Their sole aim is to bring poor suffering mankind under the banner of Islam - the Religion of Peace. The onslaught of Christianity was checked and Islam was on the march again.

Under the blessed guidance of Fazl-e-Omar, the Kashti

Nuh (Ark of Noah) has been plying, under all horizons, on the buffetting waves of the high seas, from the centre to Europe, Africa, America, Colombo, Mauritius, Indonesia, Fiji, in fact to all parts of the world, rallying fresh pilgrims to the One God again and to Islam in its pristine form.

Yesterday, we were worms grovelling in the dust. Lured and fascinated by the beauties and ornature of the world, we took its paltry gains to be the be - all and end - all of our life. To-day, we are white and clean, shaken of the dust and dross of impurity and drinking at the life giving water of Islam.

Every day that has dawned has registered another victory for Islam : one day we hear that a Christian priest is unable to take up the gauntlet thrown down by our missionary (e.g. Billy Graham's tour in Africa was a fiasco), another day the good news is released of the building of a mosque in the heart of Christendom or in some remote recess of Africa, whereby resounds 5 times daily the warmful call : Allah-o-Akbar, Allah-o-Akbar. One day, we witness many non-Ahmadis entering the fold and the other day sees the fulfilment of yet another prophecy of the Musleh Mawood. Was it not last Friday, that our present beloved Imam, Hazrat Khalifatul Messiah III revealed to us with attesting quotations that the extraordinary peaceful proceedings of the recent Khalifat elections were in accordance with the prophecy of the Musleh Mawood viz : the like of the *fitna* (conflict) which took place in the 1914 elections shall not occur again.

That the Jamaat is now set on a firm base offering a cemented rampart - a universal fact acknowledged by friends and foes alike - resounds to the credit of Fazl-e-Omar. Indeed, by his blessed person, the fulfilment of the following tradition is shown to its peak

الامام جنة يقاتل من ورائه

How greatful we, foreign students, are to be present at the

centre studying and basking in the fresh sunshine of Islam. The raising of a centre - RABWAH - in a dreary and bleak desert where snakes used to pally in the thick dust and where hope of obtaining drinking water was forlorn could not be the work of an ordinary mortal. Thriving Rabwah with its Mosques, Schools, Colleges, Hospital, Post-Office, Railway Station, Administrative Buildings and Missionaries Training Institute will for ever stand as a monumental piece of evidence of the sagacity, the far sightedness and the iron determination of His late Holiness.

It all happened due to the heart - melting prayers of the Musleh Mawood, due to his multifarious and indefatigable activities, due to his life giving personality and life infusing deeds and words by way of speeches and a masterly and unrivalled commentary of the Holy Quran and books - a vast literature - a veritable encyclopedia for the heavily indebted oncoming generations till Doomsday.

We feel the more grieved because we have always been entertaining the hope that one day His Holiness would visit our countries where thousands have been crying to God day and night to see his blessed face and to hear the holy words uttered from his blessed lips.

We fervently pray that God, out of His infinite Mercy may grant our beloved Musleh Mawood a high place in اعلی علیین alla elliyyeen) and grace His Present Holiness Hazrat Khalifatul Masih III ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز, the members of the family of the Promised Messiah, and the members of the Jamaat the soothing balm of *suabroon Jameel* and that Allah may bless us under the present Khilafat with more far-reaching victories for Islam. Ameen!

We have the honour to remain,
Your humble serv nts

Secretary-General
Naeem Osmaan of Kenya.

President..............
Abdul Rauf of Fiji.

Foreign Students Union, Rabwah.

Dr. Muhammad Ramzan

Our Illustrious Leader

In the passing away of Hazrat Khalifatul Masih II, the spiritual galaxy of the present-day, the world has lost its most luminous planet who kept on revolving and shed his lustre for more than fifty years to enlighten the worlds remotest corners. As he came, in the fullness of time according to the mighty prophecy of the Promised Messiah (peace be upon his soul), he meticulously fulfilled the vow he took on the death of the latter, the Promised Messiah, never flinching, never faltering but ever pushing ahead even against heavy odds. Actually, he worked wonders to change the whole outlook of the Muslims, who had lost all hopes of any regeneration and progress, by continuously surmonising the true spirit of Islam ; putting it into actual practice ; praying to and trusting in the Al-Mighty God. As a result, the Muslims have now come to grips with the hard realities of life. The day is not far off, when Insha-Allah, they will again be a spiritual force to reckon with. Let those who are still away and especially those who have undertaken to abide by this sacred truth take it to their hearts and rally round the banner of Islam raised aloft by him.

His company, in what ever field of activity, was a vast training-ground for one and all to guide them to fulfill their task. When we recollect his Darsul-Quran, his erudite orations, his sermons etc, we feel a thrill in our hearts.

Now, that our illustrious leader is no more with us, we should make his commentary on the Holy Quran and his other literary works our lifelong companions to carry us through the thick and thin of life. This will be a befitting tribute to his blessed memory.

HOPE

Hope, sweet hope !
To thee every soul is tied,
By a steady rope,
Unbreakable till by death tried,
Death is nothing, nothing,
But a relief to soul.
To man thou art giving,
A brighter aspect of his goal.
Thou art sweet, thou art fine.
Thou liveth in palaces and huts alike,
Thou art with diggers of coalmine,
And art thou with seekers of shell,
God always helpeth the man,
Who catcheth thee well.

Naeem Osmaan (African)

Loss of a Spiritual Galaxy

Of late the world has suffered a great number of tragedies but none was greater than the sad demise of the Caliph of Islam, Hazrat Mirza Bashirud Din Mahmood Ahmad, Khalifatul Messiah, the Second and the illustrious promised son of the Messiah, Hazrat Mirza Ghulam Ahmad of Qadian; who passed away peacefully to join the chosen ones of Allah in Heaven. The Fazal-e-Omar, as he was named by his Master, passed away peacefully after a prolonged illness, on Monday, the 8th of November 1965 in the early hours of the day at Rabwah, the headquaters of the Ahmadiyya Community. The news of his death was relayed to all corners of the world within a few hours by the curtesy and co-operation of the Pakistan telecommunication system; the Radio Pakistan and the world newspapers. Every soul that heard the news was struck dumb and none was there that did not shed tears of grief on the death of such a great and beloved person as the late Caliph.

So great was his love and respect in the hearts and souls of mankind that some 60,000 mourners rushed to Rabwah to pay their last homage and respect to their dear Imam who had left them and returned to his Creator. Scores of followers lined outside his house, waiting for hours in the scorching heat of the day but none would move from his place till he had paid his homage to the deceased Imam whom all loved more than their own souls and respected more than their own elders. After all had paid their last homage to His Holiness, they waited till the Namaz-e-Janaza had

been performed and the deceased Imam laid to rest in the heart of the town he had founded with his astonishing gift of performing miracles.

Hazrat Mirza Bashiruddin Mahmood Ahmad, was born at Qadian, in accordance of a Divine revelation to his father, Hazrat Mirza Ghulam Ahmad, the Promised Messiah. (The Prophecy of his birth has been published in Al-Manar Vol: XIV Jan., to June, 1965, No. I, on pages 36-37 under the article 'Mwalimu' by Naeem Osmaan (African). The same can also be found in Life of Ahmad by A.R. Dard.

The Fazal-e-Omar became the Caliph in 1914 on the death of the first Caliph Hazrat Maulana Noor-ud-Din (May Allah be pleased with him), a devoted and learned follower of the Promised Messiah. At the time of his succession to Caliphate, His Holiness was hardly twenty four. The office that was entrusted to him was not a bed of roses. The Christian priests were still at large not only in India but throughout the globe. The sacred code of Islam that had been entrusted to us by the Holy Prophet Of Islam fourteen hundred years ago was at stake. The extremist Hindus too were no less hostile and proved to be his rabid enemies. The Muslim brethern also continued to wage a war of hate and persecution against all those who wanted to join the Community. To make His Holiness work still more difficult, a part of his own Community, the one of superficial faith, Succeded itself to form a separate group under the name of Lahori Ahmadies. The rebel group consisted of those who had disowned the Promised Messiah as the Prophet of God. Further, they did not want the institution of caliphate to continue as it intefered with their hold on power. They did this in clear violation of the claim of the Promised Messiah and the Holy Quran ;

"Allah has promised to those among you who believe and do good works that he will surely make them successors on the earth, as He made successors from among those who were before them." The Holy Quran Ch. 24 V 56. When the late Hazrat took over as the Caliph, the financial condition of the central treasury was simply deporable. There was hardly a penny left as everything of value was removed to Lahore by the dissidents. The Children of Adam and Eve were facing spiritual famine and millions were dying with spiritual starvation. It was at this time that the Fazal-e-Omar was chosen by Allah to collect together all the lost sheep and put them on the path of virtue. These storms of opposition had made his task all the more difficult. The destiny of Islam stood trembling on an edge. Inspite of the heavy odds, uncountable hurdles and hinderances the high intelligence, broadminded sympathy, generous confidence, tremendous administrative power, capacity to evoke trust and to cap all, his faith in the Supermacy of the Al-Mighty Allah made him the giver of glad tidings. He tought and cut through the heavy storms of opposition and welded together the great empire of spirituality which is known as the world of Ahmadiyyat today. His Holiness rode out storm after storm and emerged as the greatest spiritual leader of his time. It is true that the sad demise of the First Caliph was a heavy blow to Ahmadiyyat but equally true is the fact that the blow was well borne and the Fazal-e-Omar made more than amends by his unfathomable intelligence, administration and sprituality.

Invaluable and cherishable indeed are the bounties bestowed upon us by the late Caliph. So invaluable infact that they can never be repaid by us. He was the divine soul that gathered the flock of Allah, the flock that once grovelled like worms in the dust; he was the shepperd that brought

together the lost sheep of the house of God and put them on the straight and sacred path of the Holy Quran, the path that led to the blessings of the Most Blessed, Allah. It is admitted today by his friends and foes alike that he was a great and benovolent Caliph who pursued the grand policy of unifying and purifying the human soul that had been filled with the passion of satanic desires and thoughts. The Muslims were so badly demoralised and fallen that the selling of their most valuable possessions, faith in the sacred religion of Islam at a petty price of a mess of pottage would make the least difference to them. But Hazrat Mirza Bashirud Din came with glad tidings, and transformed them into those who would not exchange their faith even for the entire wealth of Christendom.

The sympathy and deep affection with which he treated his fellow brethern won the hearts of many a thousand. The Fazal-e-Omar always devoted time gladly to hear the cases of his followers and responded graciously to their requests. He was humble at heart and possessed the greatest degree of humanity in his soul. He was a selfless servant of his Lord Allah. The Caliph spent his days and nights in piety and service. When abused by the ignorant he would freely forgive and pray for them. Never did he use abusive or sardonic language against friend or enemy. His Holiness was a living embodiment of the principles of Islam. He was absolutely free from sin and vice. His soul would not permit him to indulge in anything mundane. He had no desire for personal benefits. His only love and desire was the love of Allah. He attained the highest degree of spirituality and communion with God. Due to his great gift of prayers, requests in millions used to flow in from different and farthest parts of the world. His Holiness spent the days and nights of his life before his Lord, prostrate

and standing. The praised one also had an astonishing gift of prophecies which was another proof of his communication with God. He made immense prophecies regarding the future of world and of different nations. Many of them have came true in the past; the fulfilment of many is being witnessed in the present and Insha-Allah many will come true in the future.

He was very generous at heart. When he spent for himself he was neither extravagent nor niggardly but moderate, but when he spent for the community he always spent generously. He was a father to the orphans and a comforter to the depressed. None was rich or poor for him, king or servant; both were equal to him. He loved all with the best of his heart. His Holiness never turned down a legitimate request from his followers or even foes. He was in every sense a true and humble servant of Almighty Allah. The Fazal-e-Omar was prepared to stake his life and property for the sake of his faith, for the love of Allah and for the respect and honour of Allah's Messenger. His zeal for his faith is appreciated by his friends and foes alike.

Unlike many with blind faith in the religion of their fathers the late Caliph did a vast research on religion and accepted Islam as the best and the most complete code. In his broadcast, 'Why I believe in Islam', relayed from the Bombay Radio on the 19th of Feb, 1940, His Holiness said, 'I believe in Islam for the reason that it does not compel me to accept all that matters, the some total of which is called religion merely on authority but furnishes convincing arguments in support of its doctrines—, Islam has given detailed explanation and has established their truth with strong arguments to the satisfaction of the human mind. Islam there-

fore furnishes me not only with the faith but also with the certainty of knowledge which satisfies my intellect and compels it to admit the need of religion." Thus it was that he did not accept Islam as a heir-loom but measured and Judged it and rediscovered it for himself. In the same broadcast the late Caliph said.

"I believe in Islam as it does not base itself on the experience of the people who passed away but invites everybody to a personal experience of that which it teaches and guarantees."

And the reason why he took measures for the advancement of Islam after a thorough study of it is also found in the same broadcast where he said, "In short I find that Islam provides conditions of peace and comfort for me, and all those who may wish to tread the path prescribed by Islam, whoever they may be, whatever they may be. In whatever position I place myself I find that Islam is equally useful and beneficial for me and mine, for my neighbours, for the people I do not know and have not even heard of, for men and for women, for the aged and for the young, for the employed and for the unemployed, for the rich and for the poor, for great nations and for small, for internationalists and for nationalists and that it establishes a sure relation between me and my Maker." His generosity and his meekness compelled him to spread the religion of Islam and invite his fellow brethern to enjoy the benifits of the Heavenly kingdom that had been bestowed upon him.

The late Caliph was a master of the pen. His great intelligence and knowledge on religion brought forth valuable treasures of his writing for the oncoming generations. He wrote numerous volumes on various religions and his knowledge was far reaching. None that ever heard His Holiness arguing

with acuteness on his subject of debate could ever suspect him of being a failure in matriculation. He could speak extempore on a wide variety of topics for hours that his audience was always left astonished and amazed by his power of speech, knowledge of religion and the gift of prophetic teaching.

The unborn generations will always derive the benefit of His Holiness gift to Islam On his succession to the Caliphate his foes predicted destruction of the Community for they entertained the absurd notion that he was too young to discharge the heavy responsibilities vested upon him with efficiency. But he administered the Community in the most efficient manner and under his patronage the Tahrik-e-Jadeed Scheme was launched for the advancement of Islam in the foreign countries. At present this seed that he sowed has proved very beneficial to the Community and the number of his missions abroad have soared to over a hundred. The late Holiness also laid the foundation of the Islah-o-Irshad department for the publication of religious literature to be distributed to the seeker of truth. This department has also proved to be very fruitful and its publications are delivered in the hands of mankind in every continent of the world.

The Fazl-e-Omar was a great lover of education and understood its importance He founded the Talimul Islam College at Qadian in the year of 1944. But due to the partition of the Indo-Pakistan sub-continent we had to leave all we possessed in Qadian and migrate to Pakistan, in a nation that promised the right of individual beliefs. Here too he undertook this mission. On the first available chance he ordered the erection of a College in Rabwah and today we are proud to say that our College possesses the best percentage

of highly educated professors. The college is reputed throughout Pakistan as a College with the best morale and discipline and the foreign students who come to study in this College prove the fact that the world is not unaware of this institution. Another ultra-modern degree college is under construction at Rabwah and Insha Allah we shall witness its completion within a few years time.

His Holiness laid special stress upon the education and training of girls, also as the Holy Prophet of Islam had said, "A person who brings his daughter up well and gives her a good training and education thereby earns paradise." Before his demise he gifted our girls with two special colleges for women and a number of schools and training centres. This is the proof of his high priority to female literacy. A missionary College in Rabwah and a religious 'Madrasa' in Qadian are again a symbol, of his interest in Islam which will always stand as some monumental pieces of evidence of his sargacity. Since the last few years this college has been experiencing the passing out of many a student who after gaining proper knowledge of religion, scatter to the remotest parts of the world and propagate the religion of Islam. And this college has never been short of foreign students. In spite of the tough life in this college, students of various nationalities flock to this institute leaving behind all their possessions.

His administration has helped Islam to check the onslaught of Christianity throughout the world. His missionaries are digging the wells of crystal clear spiritual water in all the continents and are also distributing the berries of truth to the lost sheep of the house of Adam. None of his noble executions ever failed to achieve their object, to this extent that every enterprise he undertook brought forth results

much higher than the expectations of his followers. During good health, he supervised every detail of the Community's administration and welfare personally. For the further spiritual progress of his followers he instructed the formation of Ansarullah for the aged, Khuddamul Ahmadia for the young, Itfalul Ahmadiyya for the children and Lajna Amaullah for women. These departments are legislated for moulding the life and thoughts of the present and the unborn generations in accordance to the expectations of Allah and this too is a gift of his prophetic foresight.

The formation of Rabwah in a dreary desert of slime and sand which could not be inhabited during the time of the great Government of Britain is one of the many examples of his holiness's powers of performing miracles. It is the same land where the hope of obtaining water was thought to be absured now it gushes forth from numerous tube-wells; the same slime ridden piece of land where desert plants like cactus could not get proper nourishment today blooms with beautiful flowers and plants, and the same land where no creature could survive, today provides shelter for thousands. This patch of desert today thrives with beautiful and unique architecture.

The 8th of November thus closed the chapter of His Holinesses' life whose cherished memories will always be idolised and immortalized by us till the last spark of life leaves our bodies. And our lives will always cherish with pride the memory of the one who had staked his life in the crusades of Islam. The world is aware of his great fame and recogonises him as one of the greatest scholars of religion. No human power in the present age and years to come will ever yield larger multitude than that yielded in the glorious reign of the Fazal-i-Omar. The blow that has been

suffered by the Ahmadies of the sad demise in our revered Imam cannot be adequately expressed in words. His death has robbed humanity of one of its greatest sons. We feel the more grieved because we had always been entertaining the hope that one day he would be cured and will grace us with his words full of wisdom, and we feel much more grieved because we were awaiting the day when he would lead us to the holy city of Qadian, the city that carries all the treasures of Ahmadiyyat.

Fazal-i-Omar's name in history of Islam is immortal as a great scholar of Islam whose ambition always was the advancement of the religion of Allah. He will surely uphold the pride of Islam on the day of Judgement. He was in reality a stature fit for the dignity of a Caliph. His name means a cloud of hope by day and an enlighted candle by night to a multitude of millions.

Let us pray to Allah, to give us courage enough to bear the irreparable loss we have suffered in the death of His Holiness Hazrat Mirza Bashirudd Din Mahmood Ahmad Khalifatul Masih Sani. And God in his infinite Mercy grant our beloved Imam a high place in the Heaven along with His chosen ones, Ameen. And that Allah bless us under the present Caliphate of Hazrat Mirza Nasir Ahmad, Khalifatul Masih Salis with more far reaching victories for Islam, Ahmadiyyat and mankind. Ameen.

> "And thou, O! soul at peace, Return to thy Lord well pleased with Him and He well pleased with thee. So enter thou among the chosen Servants. And enter thou my garden".
>
> (Holy Quran Ch. 43,/V.34)

QUOTES

1. You must not lose faith in humanity. Humanity is an ocean ; if a few drops of the ocean are dirty the ocean does not become dirty. *Ghandi.*

---

2. Education is a chest of tools. *Herbert Kaufman.*

---

3. Education would be much more effective if its purpose was to ensure that by the time they leave school every boy and girl should know how much they do not know, and be imbued with a life long desire to know it.

Sir William Haley.

---

4. The highest result of education is tolerance.

Helen Keller.

---

5. Human education has no material end in view

George Simpson.

---

6. Even as a coin attains its full value when it is spent, so life attains its supreme value when one knows how to forfiet it with grace when time comes.

Felix Marti-Ibanez.

---

7. Character is what you are in the dark.

Dwight. L. Moody.

---

8. Live and let live is not enough, live and help live is not too much.

Orin. E. Madison

9. Time changes everything except something within us which is always surprised by change.

Thomas Hardy.

10. The oldest words—yes and no are those which require the most thought.

Pythagorous.

11. Think before you take a decision and once taken stand by it.

Quaid-e-Azam.

12. If you can fill an unforgiving minute, with sixty seconds of distant run, ours is the earth and all that is in it, And what more you will be a man my son.

Rudyard Kapling.

13. Nothing is useless in this world. Even a stopped clock gives correct time two times a day.

Prof. Habibullah Khan

HAZRAT MUSLEH-E-MAWOOD

The Great Loss.

Ah! What we dreaded most came to pass at last. The night between November 7 and 8 proved very fateful and our beloved Imam, the compassionate leader, Hazrat Mirza Bashiruddin Mahmood Ahmad, the second successor of the promised Messiah(peace be on him) left us bereaved and departed from us for ever. انا لله و انا الیه راجعون (May his soul rest in eternal peace.) Ameen.

How terrible was the hour! How great the calamity! The news of his sad demise spread like wild fire in the whole town and engulfed all in the deepest sorrow. We were completely struck with grief and did not know what to do. Despite his long illness we had never thought of his parting and were not prepared for such an eventuality. He had been very ill for sometime and the doctors described his condition as serious, yet we hoped that he would recover and we continued to pray for his long life as fervantly and as best as we could.

But alas! the hour had come—the hour which no human effort or ingenuity could possibly alter. It was the final call from the Creator to which Hazrat Ameerul Momineen submitted cheerfully and peacefully and breathed his last at 2.20 a.m.

The news of his demise was conveyed to Ahmadies of Pakistan living in different parts of the country on the phone as quickly as possible. Urgent messages were also

despatched to foreign missions all over the world. Radio Pakistan and the British Broadcasting Corporation also helped in conveying the news to their listeners. Owing to the kind co-operation of the Telephone Department, people in Lahore, Lyallpur, Sargodha etc. got the news almost at the same time as those living in different localities of Rabwah.

As soon as the news was announced people began to flock round the Qasr-e-Khilafat (the residence of the late Hazrat Ameer-ul- Momineen) in great dismay. There was silence and gloom all round. Voices were hushed and heads hung low. Intense grief and deep anxiety was writ large on every face. Everyone prayed silently for the departed soul and the future welfare of the Community.

By early morning people from outside began to arrive by cars, buses and trains. Some managed to come even by aeroplanes. This influx of Ahmadies continued till late in the evening and even on the next day. Almost sixty thousand people, both men and women, had assembled to pay their last respects to their beloved Imam. They stood patiently along the roads in queues for hours to have a final look at his face. Inside the house womenfolk had also assembled in large numbers for the same purpose. The whole process was well organized and every man, woman and child got the opportunity of seeing his Holiness face in an orderly manner. This public display of the deceased Imam continued till the afternoon of the next day (November 9) and almost upto the time of the burial.

The Election of the Successor.

For religious communities which come into existance by the appearance of a prophet or a God-sent reformer the death of the founder or his successor is an event of

great magnitude and a big catastrophe. Very often the whole organization and its newly built structure is shaken to its very foundations. There are serious repercussions and sometimes a number of unpleasant chain reactions start. For the members of the community it is an hour of trial. God wishes to see how they conduct themselves at the critical moment. Whether they remember His favours and hold fast to His rope or get divided. Many of those who are not well disposed to the community find it an excellent opportunity for sowing the seeds of discord and dissention and make all possible efforts to create confusion. Such an occasion is always marked with deep anxiety.

Realising the difficulties of such a situation and its far reaching effects, Hazrat Ameerul Momineen Khalifatul Masih II had appointed an electroal college in his life time. The members of the electoral college got together in Masjid-e-Mubarak on 8th November 1965 after Isha prayer. The election was held behind closed door under the chairmanship of Mirza Aziz Ahmad Nazir Ala (Chief Secretary) Sadr Anjuman Ahmadiyya. Thousands of Ahmadies, standing in single file outside the mosque, anxiously awaited the result.

Hazrat Mirza Nasir Ahmad till then the principal of Talim-ul-Islam College and president of Anjuman Ahmadiyya, was unanimously elected as the next Caliph and Imam of the Ahmadiyya community. Immediately after the election all members of the electoral college, without a single exception, pledged allegience to him and renewed their covenant of Bait on his hand. After that the result of the election was made public and all those who waited outside were permitted to come in and renew their pledge. Nearly five thousand people took the oath of allegience on this first occasion. This unanimous election

was hailed by all as a great blessing of God and it instantly dispelled all anxiety and worry.

Burial

People continued to pour in at Rabwah even on the next day and it was decided that the Namaz-e-Janaza would be offered after Asar prayers. To avoid confusion the route on which the coffin would be carried was announced before hand and the position of people belonging to different districts and towns was also allocated so that everyone may take part in the ceremony in a systematic and orderly way.

Within the compound of the Qasare-e-Khilafat the coffin was carried by the members of the late Imams family, companions of the promised Messiah, members of the Sadr Anjuman Ahmadiyya, the Tehrik-i-Jadid, the Waqf-e-Jadid, members of Majlis-e-Ansarullah and Khuddamul Ahmadiyya till it reached the Bashti-Makbra.

The Great Leader.

Hazrat Ameerul Momineen was a great leader and combined in himself all the qualities needed for the big task before him. The importance of his personality can be judged by the fact that his birth had been predicted. In the revelation of the Promised Messiah it said that he would be pious, extremely intelligent and dignified in appearance. He would be gifted with a dominant personality and great wealth. Through God's grace he would be able to purify ailing souls and shall bring freedom to those bound in chains. He will dive deep into the fountain of knowledge, both secular and spiritual and despite his great intellect, learning and comprehension he would be kind of heart and very forgiving. He would be an embodiment of purity and spiritual light and would be blessed with God's pleasure. Becoming in manners and exalted in rank he

would be a manifestation of God's e x a l t e d station. Making rapid strides he would bring freedom to the enslaved and would win world wide fame and renown. Nations would be blessed through him and thereafter his soul would be raised to Heaven.

These revelations contain a comprehensive description of the great qualities of head and heart possessed by him. It would be futile to add anything further to the above description. In appearance and manners he was a complete replica of his illustrious father. With his unusual sagacity and foresight he guided the destinies of millions of people and planted the seed of Islam in every nook and corner of the world. In his eloquent speeches and profuse writings he has brought out the excellences of the Holy Quran and proved its worth and superiority over other scriptures. He infused a new spirit of sacrifice and devotion among his followers and prepared them to fight the battle of Islam with patience, humility and determination.

He organised the missionary work and established centres for the propagation of true Islam. Under his guidance the Holy Quran was translated into many languages and numerous mosques were built in foreign lands. He firmly established the institutions of Khilafat and completely shattered the hopes of those who wanted to confuse this issue for their own personal ends. There were many storms, from within and from out but he neither failed nor faltered. With God's grace and guidance he faced them all and steered clear of all pitfalls.

In 1914 when he took over the reigns of Khilafat in his hands there were only few annas in the treasury. Now the budget amounts to something like six million rupees. Then he was handicapped by the opposition of a powerful group of men who dominated the work of the Anjuman. Having cut itself apart from the main body that opposition has now dwindled into

insignificance. The community well organised centre with branches all over the world, each branch serving as a nuclear for the land around. The message of the almighty God, the Holy Prophet Muhammad (peace and blessings of Allah to upon him) and Hazrat Ahmad of Qadian (peace of Allah be upon him) is being propagated from there with unabated zeal and the time is not far when, God's willing, the supremacy of Islam would be finally established and this earth of ours would be filled with God's praises

All these achievements prove beyond doubt that Hazrat Ameerul Momineen Khalifatul Masih II was a man of extraordinary capabilities, almost an angel in human form and that he was a true successor of a true prophet. He received guidance and help from God in all his undertakings and was never daunted by opposition or difficulties. That he was blessed with God's love is proved by the revelations he received and also by the numerous visions and dreams that came true in due course. A man whose birth was predicted, whose excellences have been mentioned in other scriptures as well as in some of the writings of our own saints was certainly a rare personality and deserves honour and praise. May God shower His choicest blessings upon him and may his soul rest in eternal peace. Ameen.

Mohammad Zafarullah

Their Souls Rest In Heaven.

Shed no tears for those,
Who die, for mother land ;
But pay in homage ; a rose,
A bouquet, a garland.
At night, the shining moon ;
Silvers the graves,
Illuminates the bright sun,
The ground, where lie the brave,
Who cared not for life,
In the cause of religion ;
Hindered not by the love of wife,
Nor by the thought of children.
Angels guard their tombs,
Their souls rest in Heaven.

Mohammad Zafarullah

Their Souls Rest In Heaven.

Shed no tears for those,
Who die, for mother land ;
But pay in homage ; a rose,
A bouquet, a garland.
At night, the shining moon ;
Silvers the graves,
Illuminates the bright sun,
The ground, where lie the brave,
Who cared not for life,
In the cause of religion ;
Hindered not by the love of wife,
Nor by the thought of children.
Angels guard their tombs,
Their souls rest in Heaven.

Javed Hassan B.Sc. (Final)

Tashkent Declaration

I fail to understand the logic of those who find faults with the Tashkent Declaration which only re-affirms the obligations of India and Pakistan under the U.N. Charter to seek peaceful solution of their disputes.

Everybody is aware of the fact that problems, especially long-disputed political problems of high tension cannot be solved in the twinkling of an eye. It needs time and as far as the Kashmir problem is concerned, it has been outstanding for the last 18 years. India has been insisting that Kashmir is an integral part of it, but after the Tashkent Declaration, Indian leadership has again confessed to the fact that Kashmir is a living dispute and the bone of contention in the Indo-Pakistan relations.

Some people demand that the Tashkent Declaration should be annuled, and the logic of it is un-understandable after our pledges to the Kashmiris, President Ayub never changed his ideology but the Tashkent Declaration has further strengthened it and whole the world has agreed that Kashmir is a disputed territory and no longer a dead issue.

We know that the U. N. resolution of September 20, demands the withdrawal of forces from the cease-fire line before the disputes between India and Pakistan can be discussed including that of Kashmir and we accepted this resolution. The Tashkent Declaration has paved the way for the first condition of U.N. resolution and now the U.N. can

have another resolution which would solve the other conditions too.

Further, by the Tashkent Declaration we have won the sympathies of the Soviets. The U.S.S.R. had been responsible for putting off the Kashmir question from the United Nation for 18 years. This was the country which always vetoed Pakistan's stand on Kashmir. This is the country whose ideologies of Marxism teaches the right of self-determination of humanity but it always vetoed against the right self-determination for Kashmiri's in the Security Council, and today this is the country that called upon the leaders of both the countries to discuss the Kashmir issue in a peaceful manner and according to the U.N. charter, to which both India and Pakistan are obligated. And the Tashkent conference has been in accordance to it in spite of the studborness of India then why not call it a moral victory for Pakistan.

The declaration has not in any way worsened Pakistan's stand on Kashmir nor has it retarded the steps to bring about an honourable solution of this long-standing dispute with India. We know that the present war conditions are not profitable for solving such high tension disputes because it is equally disastrous for the victors as well as for the vanquished. And particularly developing countries like India and Pakistan can't afford this vulgar and expensive game. If a peaceful solutions is to be found by way of discussions, mediation or adjudications by the world body a climate of friendliness and co-operation is a must.

As far as legal and constitutional aspects are concerned, there is no change in the pre-Tashkent situation. The only difference is that the emphasis has shifted from predispositions

to conflict to the need of enlarging the areas of agreement. This is the only road to human salvation in this era of atomic age.

Tashkent Declaration is not a seal on the Kashmir problem. It does not mean that we have lost Kashmir. It does not mean that we have changed our stand and nor does it mean that because of the withdrawl of troops, the restoration of embassies the release of the prisoners of war stopping of adverse propaganda the Kashmir issue is dead. Self-determination for the people of Kashmir is still our stand, it is still our aim and no power on earth can change our stand.

How is it possible that we will leave our efforts for the liberation of our Kashmiri brothers from the cruel claws of the Indians. Kashmiries are our brothers—they are flesh of our flesh and bone of our bones. They are now passing through such an era that if we leave them, then they will never rise. They will fall into the lap of India for ever, and if this happens, no power on earth can give them the right of self-determination. These are not my feelings but of whole the nation.

Tashkent Declaration was another peaceful attempt for Kashmir. We believe in peace and have not left any peaceful mean to solve the Kashmir dispute. But if still peaceful attempts prove futile our further step will be a final step—as our foreign minister has said; "we will fight for a thousand years if need be for our solidarity, for our existance".

In signing the Tashkent Declaration President Ayub Khan was motivated by the noble desire of peace. This is the spirit of Tashkent accord and it is in this spirit that we should accept it.

The College Spotlight

Firstly because of the state of emergency in the country and secondly because of the holy month of Ramzan, the Student's Union could not hold any activity in the first term of the current session. It held its first "All Rabwah" bi-lingual debate on the 8th of February, at 6.30.p.m. in the College Hall. The proposition debated on this evening was :—

"Economic prosperity is the basis of Civilization.'

Twenty five speakers, from Jamia Ahmadiyya Missionary College, Talim-ul-Islam High school and Talim-ul-Islam College participated in the debate. The panel of judges comprised of Mr.N.M. Naseem Soifi, Ex-missionary West-Africa, Mr. Mohammed Ibrahim, Headmaster, Talim-ul-Islam High School and Professor Hameedulla, senior lecturer Talim-ul-Islam College.

The results of the debate were as follows :—

Urdu.

First prize.	Javed Hassan,	Talim-ul-Islam College.
Second prize.	Ata-ul-Mujeeb.	Jamia Ahmadia.
Third prize.	Sami Tahir.	Talim-ul-Islam College.

English.

First prize.	Naeem Osmaan	Talim-ul-Islam College.
Second prize.	Yousaf Youshan	Jamia Ahmadia.
Third prize.	Mubasher Ahmad	Talim-ul-Islam College.

The Talimul Islam College basket-ball courts were the venue

of the 8th *All Pakistan Nasir Basket-ball Tournament* held at Rabwah from the 10th of Feb. to the 13th of Feb. 1966. Twenty-two teams from all over Pakistan participated in the tournament and the players included some Internationals viz., Javed Hassan and Mohammad Khan playing for the P.W.R. and Amin Sheikh, playing for Brothers Club, Lahore.

The P.W.R. beat Brothers in the finals of the club section and thus carried the trophy for the second consecutive year. Dyal Singh College, Lahore and P.A.F. School Sargodha, were the winners of the College and school sections respectively. The Prizes and trophies were distributed by the Principal Prof. Qazi Muhammad Aslam M.A. (Cantab).

The Foreign Students Union, Rahwah held a Tea Party in honour of His Excellency Sir Mohammad Zafarullah Khan member of the International Court of Justice on Wednesday the 26th Junuary 1966 at 10.00 a.m. His Excellency stayed for nearly one and a half hour with the Foreign students and discussed matters of religious interests with them.

His Excellency Sir Chaudry Muhammad Zafarullah Khan attended a question—answer meeting under the auspices of the Majlis-e-Irshad, Talim-ul-Islam College on Saturdy the 17th of February in the Talim-ul-Islam College Hall. Questions of religious. political and general affairs were put by the staff and students of the college and His Excellency replied to them.

The Political Sciences Society held a discussion on the '*Necessity and means of peace in the present age*', on Wednesday the 16th of February 1966. Ten students spoke on this topic and some twenty others put questions which were answered by the speakers. Similar discussions have been held by the Social Sciences Society also.

"Best Contribution Competition"

The Al-Manar invites contribution from students for the 'Best Contribution Competition'. Prizes will be awarded for the first two winning contributions and winners of the contest will be announced in the next issue of Al-Manar.

Rules :

1. The contest is open to all students of the T.I. College.
2. Entries should be on any topic, in the shape of a poem, a short play or an essay.
3. Entries should be legible, must be written in English and should not be copied from any book or magazine.
4. Entries must be limited to the minimum of 500 and a maximum of 1500 words. (Please count the words and indicate the actual count at top right hand corner of the first page).
5. The contest will close on the 30th of March 1966.
6. All Entries become the property of Al-Manar and cannot be returned. Winning entries will be published in Al-Manar.
7. The decision of the penal of judges will be final.
8. Entries must be addressed to
   "CONTEST EDITOR AL-MANAR".

The ex-students of the College are allowed to participate but no prize will be awarded to them.

الحرب بين الهند و باكستان

قانته شاهده الدرجة الثانية ما جستير

كان الهند و باكستان اقليماً و احداً قبل ثمانية عشر عاماً ثم قسم فى قسمين سمى احدهما باكستان والاخر "بهارت"، الهند بلاد واسعة ولها عدد كثير من الناس - و لكن باكستان مقاطعة صغيرة بنسبة الهند و لكن اكثر أهلها مسلمون - فاما المسلمون فبينهم الاخوة فى أقاصى الارض وأدنيها ولهذا توجد بين الهنود والمسلمين ضغائن قديمة و عداوة شديدة منذالقديم .

ألف سنة من قبل جاء المسلمون هذه البلاد بديانة الاسلام و أثروا على المذاهب الاخرى فى الهند الى حد حتى قال الناس أن الاسلام سيغلب على كل الهند وتكون الأديان الاخرى بلا أثر - فالمسلمون بغيضون لدى الهنود . و لهذا الوجه قسم الهند فى الهند و باكستان .

ولكن الهنودلم يصبروا على هذا فقط - بل ارادو أن يستأصلو شأفة المسلمين و أن يهلكوهم حتى لا يكون للمسلمين صوت فى العالم - و لهذا دبروا مكايد كثيرة و أكبر هذه المكايد انضمام مقاطعة كشمير بالهند فى كشمير عدد المسلمين كثير أى هناك سبع و سبعون مائة مسلم و فى كشمير رباع و ازهار و رياحين و ربوات عديدة و وديان ذات نضرة ونضارة .

عند انقسام الملك جاء اهل الهند بالقرار ان يكون لأهل كشمير مستقبل باهر و ان يكون مستقبلهم كما يحبون لأنفسهم وقالوا أيضاً ان الكشامرة لهم حق ان يعملو كيف شاؤوا - اى تكون هذه البلاد تحت حكومة الهند او باكستان كيف شاؤوا - ولكن الان قد صارت الهند مسيطرة على كشمير و ادعى اهلها ان كشمير ولاية مستقلة من ولايات الهند وجزء لا يتجزى - و ضموها ضمة بالهند .

و الحال ان الحاكم لتلك البلاد «كرن سنگهہ» قال فى ابتداء قيام باكستان لأهل كشمير ان ينضموا بالهند ولكنهم ابوا ولم يريدو الانضمام بها . ولهذا وقعت تنازعة بينهما ـ

ظلم اهل الهند الكشميريين ظلماً شديداً فما زال المسلمون يصبرون على ظلمهم و لكن الان لما ادعى الهنود انضمام كشمير بالهند انتبه المسلمون فى هذه البلاد ـ و نشبت معركة حاسمة بين المسلمين و الهنود و وقعت وقائع دموية ـ

وهجموا على باكستان ايضاً بافواجهم البرية و الفضائية و البحرية بدون الانتباه لكى يسيطروا عليها بالقوة الحربية فهكذا نشبت الحرب الطاحنة الدامية بينهما فجاء اهل الهند بالقنابل و المدمرات و المدافع الرشاس و المصحفات و السيارات المدرعة و اسلحة حديثة اخرى اذ لم يكن المسلمون متنبهين . وهكذا اخذوا على غرة لأن المسلمين كانوا يظنون ان المقابلة تبقى فى بلاد كشمير فقط ولكن الهنود هجموا على باكستان فجاؤوا بجيوش عظيمة الى ناحية لاهور والى سيالكوت ـ

فاستمرت الحرب قرابة ثمانية عشر يوماً . و لكن الله تعالى نصر المسلمين و جعلهم غالبين وصيرهم كالبنيان الموصوص فكسروا شوكة الاعداء بعون الله الصمد و لمارای مجلس الأمن هزيمة الهنود وراى ايضاً ان امن العالم فى الخطر امر لوقف اطلاق النار لأجل قيام الأمن و لكن الهنود لا يزالون ينكثون العهد و يخالفون وقف اطلاق النار حيناً بعد حين .

لا نستطيع ان نصبر على ظلم الهنود لأن مسلمى كشمير اخواناهم من دمائنا و لحومنا لا نستطيع ان نتركهم و حيداً فى ايدى الظالمين اتى الهنود بامور فظائع مثلاً خربوا بيوتهم وحرقوهم وقتلوهم فهذه الظلمات التى اتوابها ظلمات عظيمة وهناك وقعت مظلمة عظيمة على الأطفال و النساء و الشيوخ فهاجت الكشامرة وارادوا ان يطرحوا هذه الربقة ربقة العبودية ـ فهنالك ايضاً كانت حرب عظيمة بين الهند و باكستان ـ ونحن على وشك ان تزول هذه المصائب و ان يحصل اهل كشمير حريتهم.

کل و احد يعلم ان الحرب ليست بسهلة لأنها تدمر البلاد و تخربها كما جاءت فى القرآن الكريم قصة سليمان و ملكة سبأ حين ارسل سليمان عليه السلام اليها بانه يجب لها ان تكون تابعة له فقالت

« يا ايها الملؤ افتونى فى امرى ما كنت قاطعة امراً حتى تشهدون » «قالت ان الملوك اذا دخلوا قرية افسدوها وجعلوا اعزة اهلها اذلة و كذالك يفعلون » (سورة النمل)

و كذالك فعل الهنود خربوا تلك البلاد و هجروا اهلها من اوطانهم الى بلاد قاصية نائية ـ فهنالك قتل رجال وصار كثير من الاطفال بغير آباء اى يتامى ـ ولهذا نريد السلم و الصلح ـ و الاسلام ايضاً دين السلم والصلح فلا نريد ان تكون الحرب بيننا و لكن ان اراد العدو الضر فعلينا ان نقاتله لأن الله تعالى قال فى القرآن الكريم .

«اذن للذين يقاتلون بأنهم ظلموا وان الله على نصرهم لقدير»

فالمسلمون دائماً يريدون الصلح و يكرهون الحرب حسب قول الله تعالى « كتب عليكم القتال وهو كره لكم » و حسب قوله تعالى « و ان جنحوا للسلم فاجنح لها »

ولكنه الآن كتب على المسلمين القتال لأن العدو ظلمهم ـ هم يقتلون بغير ذنب و يقاتلون بغير جرم و لهذا قام المسلمون للحرب و يجب علينا ان نخرج للجهاد لأن رسول الله عليه وسلم وعدنا به فى هذين الحديثين .

(الف) عن ابى هريرة رض قال وعدنا رسول الله عليه وسلم غزوة الهند ـ فان ادركت انفق فيها نفسى و مالى و ان قتلت كنت افضل الشهداء وان رجعت فانا ابوهريرة المحرر (سنن نسائى كتاب الجهاد)

(ب) عن ثوبان رضى الله تعالى قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عصابتان من امتى احرز هما الله من النار عصابة تغزوا الهند وعصابة تكون مع عيسى ابن مريم عليه السلام

(سنن نسائى و الجامع الصغير)

الاهتمام بصحة الاجسام

(امة الرفيق الدرجة النهائية ماجستير)

واجب على الطلبة والطالبات ان يهتموا بصحة اجسامهم مع تاهب الاختبار السنوى قد يرى ان الطالبات يغبن عن الكلية عن معاذير حقيرة فى هذه الايام مثلا اذا احست قدسية امتلاءا قليلا اعلنت الى امها ان مزاجها الشريف فاسد قليلا و لن تذهب اليوم الى الكلية او كما تقول انيس لامها يا امت لن اذهب اليوم الى الكلية لان بثرة صغيرة قدظهرت على خنصرى - فان قالت امها يا بنية ماعلاجها اجابت ان علاجها الكباب الشامى والشطيرات اللحمية فما زالت امها تهيأ لابنتها هذه الاطعمة الشهية طوال النهار

فاقول والحق اقول انه

ما فائدة تاهب الاختبار ان نمرض اثناء الاختبار بعينه

فلازم علينا ان نختار التدابير الواقية حسب الموسم مثلا الحمى الملاريا الصفراوية ربما تكون بفساد الكبد و علاجها النارنج والبرتكال والليمون والكينا.

بضعة ايام قلائل احسست صفرة ما على وجه شافية و علمت انها تتهيأ للملاريا فاشرت عليها ان تسئل شقيقها البرافسور فى الشعبة الانجليزية فى الكلية ان يشترى لها النارنج بعشر روبيات و ان تستعمل النارنج كل يوم كى يصلح كبدها

وزدت ايضا انه لعلنى افطر صومى غدا فى بيتك للتفقد فقط عن اشتراك النارنج - فبقيت شافية متحيرة و قالت قد عسيت أن لا احضر فى بيتى ذالك الوقت لانى ذاهبة الى كول بازار تلك العشية - قلت يا شافية انى آتية هناك لزيارة النارنج فقط لا لزيارتك - لا يكون فرق فى افطارى سواء احضرت املم تحضرى فخمنوا من هذا يا اخوانى ان فتيات هذا الزمن ما اشد هن اهمالا و غفلة بمقتضيات صحتهن -

كلام الامام امام الكلام

قانته شاهده الدرجة الثانية ما جستير

*قربان تست جان من اے .ار محسنم
بامن كدام فرق تو كر دی كه من كنم

*فداك مهجتی يا محنسی ای فرق صدر منك ليصدر هو منی لك -

*هر مطلب و مراد كه می خواستم زغيب
هر آرزو كه بود بخاطر معينم

*كل مقصد و مراد الذی طلبته من الغيب و كل امنية التی كانت معينة فی قلبی -

*از جود دادهای همه آں مد عائے من
وز لطف كرده ای گزر خود بمسكنم

*باحسانك قد انجزت كل مقاصدی هذه و نفسك شرفت مسكنی بقدومك -

*هيچ آگہی نه بودزعشق و وفا مرا
خود ريختی متاع محبت بدامنم

*ما كنت اعرف ما العشق والوفاء فالقيت نفسك متاع المحبة علی -

*ایں خاک تيره را توخود اكسير كردهی
بود آں جمال تو كه نمود است احسنم

*جعلت نفسك هذا التراب الاسود اكسيراً وجمالك كان الذی استحسنت فوق كل شيئی -

*ایں صيقل دلم نه بزهد و تعبد است
خود كرده ای بلطف و عنايات روشنم

*صقل قلبی هذا ليس لأجل الزهدو التعبد ولكن قد نورتنی نفسك بلطفك وعناياتك -

*صد منت تو است بریں مشت خاک من
جانم رهين لطف عميم تو هم تنم

*علی وجودی هذا الذی هو حفنة التراب مئون من الطافك مهجتی رهينة باياد لك عامة و كذالك جسدی -

*سهل است ترک هر دوجهاں گر رضائےتو *هين ترك العالمين كليهما ان كان رضاك
آید بدست اے پنه و کهف وما منہم حاصلاً یا ملجائی و حصنی ! و مامنی !

*فصل بہار و موسم گل نایدم بکار *بغیر طائل لنافصل الربیع و موسم الازهار
کا ندر خیال روئے تو هر دم بگشنم لأنی دائماً فی جنینة من خیال وجهك۔

*چوں حاجت بود بادیب دگر مرا *لم احتاج الی ادیب آخر ؟ لأننی قدربیت
من تربیت پذیرزرب مهیمنم من ربی المهیمن۔

*زاں ساں عنایت ازلی شد قریب من *هكذا دنت الی عنایته الآزلیة بأن نداء
کامد ندائے یارزهر کوئے وبرز نم الحب سمع من کل درب وزقاق۔

*یا رب مرا بهر قدمم استوار دار *رب ثبتنی فی کل قدمی ولا یات لی یوم
واں روز خود مباد که عهدتو بشکنم انقض فیه عهدك

*در کوئے تو اگر سر عشاق رازنند *و ان کان للعشاق ان تضرب اعناقهم فی
اول کسے که لاف تعشق زند منم زقاقك فأنا الأول من یدعی بعشقك۔

(لسیدنا حضرةالمسیح الموعود علیه الصلوة والسلام)